

183



نیلا گھوڑا



اشتیاق احمد

بسم الله الرحمن الرحيم



محمود فاروق، فرزانه اور انسپکٹر جمشید

183

نیلا گھوڑا

اشتیاق احمد

## حدیث شریف

حضرت مقدم بن معدی کرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے  
 کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :  
 کسی شخص نے کوئی کھانا اس سے بہتر نہیں کھایا کہ وہ  
 اپنے ہاتھوں سے کھا کر کھائے۔ اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام  
 اپنے ہاتھوں سے کھا کر کھاتے تھے۔

(بخاری شریف)

السلام علیکم !

آج جب میں اس ناول کے دو باتیں لکھنے بیٹھا ہوں ، ۲۴ دسمبر ہے - ۲۶ دسمبر کو آفتاب احمد کے شادی ہو رہی ہے - آپ جب یہ ناول پڑھ رہے ہوں گے ، اس وقت آفتاب احمد کے شادی کو قریباً تیرہ ماہ گزر چکے ہوں گے - یہ خبر اس لیے سنانا ضروری سمجھا کہ آفتاب احمد مجھے آپ کے لیے ناول لکھتے ہیں اور ان کے قارئین کا بھی حلقہ موجود ہے - ان قارئین کے لیے یہ خبر ضرور خوش کن ثابت ہو گے - آپ کہیں گے - ہمیں یہ خبر بہت بعد از وقت مٹائی گئی - یہ بات ٹھیک ہے - لیکن میرا اور آپ کا رابطہ صرف ناولوں کے دو باتوں کے ذریعے

ناول پڑھنے سے پہلے یہ دیکھ لیں کہ

- یہ وقت غاضک تو نہیں —
  - آپ کو سکول کا کوئی کام تو نہیں کرنا —
  - کل آپ کا کوئی شٹ یا امتحان تو نہیں —
  - آپ نے کسی کو وقت تو نہیں دے رکھا —
  - آپ کے ذمے گھر والوں نے کوئی کام تو نہیں لگا رکھا —
- اگر ان باتوں میں سے کوئی ایک بات بھی ہو تو ناول اللہ کے لیے رکھ دیں ، پہلے غاضک نہ رہیں ، پھر ناول پڑھیں ، شکر ہے !

اشتیاق احمد



ہے۔ ایک ناول جو میں آج لکھتا ہوں۔ اس کو آپ قریباً تیس ماہ بعد پڑھتے ہیں۔ تیس ماہ پہلے خود مجھے معلوم نہیں تھا کہ آفتاب احمد کے شادی کس تاریخ کو ہو گئے۔ لہذا تیس ماہ پہلے کے کسی ناول کے دو باتیں میں یہ بات نہ لکھ سکا۔ اس لیے آپ کا گلا سر آنکھوں پر سہم۔ پھر یہی درست نہیں۔ یوں آپ کو ناراض ہونے، لالچ پیلہ ہونے اور آنکھیں دکھانے کا پورا پورا حق ہے۔ اور آپ اس حق کا استعمال فراخ دل سے کر سکتے ہیں۔ شکریہ!

میں

## اشہار

”آج شام ٹھیک سات بجے ارمان بخاری فوننگو کو قتل کر دیا جائے گا، کوئی اسے نہیں بچا سکے گا، یہاں تک کہ تم لوگ بھی نہیں بچا سکو گے، ارمان بخاری کو کیوں قتل کیا جائے گا۔ یہ ایک ایسا راز ہے۔ جو راز رہے گا۔ اس راز سے کبھی بھی پردہ نہیں اٹھ سکے گا۔ اگر کسی میں ہمت ہے، طاقت ہے، صلاحیت ہے تو ارمان بخاری کو بچا کر دکھا دے اور اس راز سے پردہ اٹھا کر دکھا دے۔ میں اپنی شکست کا اعلان اخبارات کے ذریعے کروں گا۔ جس طرح یہ اشہار اخبارات کی زینت بنا ہے۔ اسی طرح شکست کا اشہار اخبارات میں شائع ہو گا۔“

نیلا گھوڑا۔



انہوں نے اس اشتہار کو کئی مرتبہ غور سے پڑھا، پھر ایک دوسرے کی طرف دیکھا:

"شاید اشتہار دینے والے کا دماغ خراب ہے۔ محمود نے منہ بنا کر کہا۔

"یا پھر وہ دوسروں کا دماغ خراب کر دینے پر تلا ہے۔ فرزانہ بولی۔

"ایک تیسری بات بھی ہو سکتی ہے۔ وہ یہ کہ یا پھر یہ شخص اپنے سوا ساری دنیا کے لوگوں کو عقل سے پیدل خیال کرتا ہے۔ فاروق بولا۔

"ہاں واقعی۔ اشتہار کے الفاظ سے یہی بات ظاہر ہے، سوال یہ ہے کہ ارمان بخاری کون ہے۔" محمود نے تسلیم کیا۔ "اس کی ایک عقل مندی تو یہی ہے۔ کہ اس نے ارمان بخاری کا اپنا نہیں لکھا۔" فرزانہ بولی۔

"تو پھر۔ اس سے کیا ہوتا ہے۔" فاروق نے اسے گھورا۔

"جتنی اس سے یہ ہوتا ہے کہ اب کون ارمان بخاری کو تلاش کرتا پھرے۔ اور پھر۔ پورے شہر میں نہ جانے کتنے ارمان بخاری ہوں گے۔ نہ جانے اس نے کس ارمان بخاری کے بارے میں اعلان کیا ہے۔"

"میں پھر بھی۔ یہی کہوں گا کہ اس سے کچھ نہیں ہوتا۔" فاروق مسکرایا۔

"آخر کیسے۔ تمہارے دماغ میں کیا ہے؟ محمود نے اسے تیز نظروں سے دیکھا۔

"ظاہر ہے۔ جوہر بھرا ہے۔ فرزانہ مسکرائی۔

"اگر میرے دماغ میں جوہر بھرا ہے تو پھر تم دونوں کے دماغ بھی جوہر سے خالی نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ۔" فاروق کہتے کہتے رک گیا۔

"کیونکہ کیا؟

"کیونکہ ہم ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہیں۔"

"اب تم نے ابا جان اور امی جان کے دماغوں میں جوہر بھرا ہونے کی بات کر دی۔ فرزانہ چلائی۔

"ہرگز نہیں۔ میرا یہ مطلب نہیں تھا۔" فاروق نے پرزور لہجے میں کہا۔

"خیر خیر۔ تم یہ بتاؤ۔ کتنا کیا چاہتے ہو؟

"یہ کہ اس اشتہار کے مطابق بے شک ہمیں یہ معلوم نہیں کہ ارمان بخاری کون ہے، کہاں رہتا ہے، کیا کرتا ہے اور یہ کہ ہم کس طرح اسے تلاش کریں۔ لیکن وہ بھی تو اخبارات میں یہ اشتہار پڑھے گا۔ نہیں پڑھے گا تو اس



کے دوست اجاب تو اس اشتہار کی طرف توجہ دلائیں گے ہی اور پھر وہ اپنے علاقے کے پولیس اسٹیشن جائے گا۔ بلکہ اب تک تو وہ جا بھی چکا ہو گا۔ کیونکہ شام کے سات بجے میں اب صرف بارہ گھنٹے باقی ہیں۔ اس وقت صبح کے سات بج رہے ہیں۔

”گویا ہمارے پاس پورے بارہ گھنٹے ہیں۔“ فرزاد مکرانی۔  
”کیا مطلب؟“

”مطلب یہ کہ ظاہر ہے۔ اب ہم اس کیس پر کام کیے بغیر تو رہیں گے نہیں۔“ فرزاد بولی۔

”تم صرف اپنی بات کرو۔ مجھے شامل نہ کرو۔“ فاروق بھٹا اٹھا۔

”خیر خیر۔ یو نہی سہی۔ محمود۔ تم بھی میرا ساتھ دینا پسند کرو گے یا نہیں؟“

”میں اور تمہارا ساتھ نہ دوں۔“ اس نے فوراً کہا۔

”یہی تو مصیبت ہے۔ تم ہمیشہ اس کا ساتھ دیتے ہو۔ کبھی میرا بھی ساتھ دے کر دیکھو۔“

”میں کام چور نہیں ہوں۔“ محمود مکرانی۔

”شکریہ۔ میں نے تمہاری بات کا بُرا نہیں مانا۔ خیر۔

مگر تم نے بھی اس معاملے میں فرزاد کا ساتھ دینے کی ٹھان

لی ہے۔ تو یہ غریب عاجز بھی پیچھے نہیں رہے گا۔

”پلو شکریہ۔“ راو راست پر آگئے۔ اس سے پہلے کہ آبا جان غُبل خانے سے باہر نکلیں۔ ہمیں کام شروع کر دینا چاہیے۔“ فرزاد نے جلدی جلدی کہا۔

”کیوں! کیا آبا جان ہمیں اس پر کام کرنے کی اجازت نہیں دیں گے۔“ فاروق بولا۔

”میرا مطلب ہے۔ اس سے پہلے ہی اگر ہم کوئی کام دکھا دیں تو کیا یہ بہتر بات نہیں ہوگی؟“

”تو ٹھیک ہے۔ شروع ہو جاؤ۔“

محمود نے سارے شہر کے پولیس اسٹیشن کا چارٹ سامنے رکھ کر باری باری فون کرنا شروع کیا۔ ہر پولیس اسٹیشن سے یہی جواب ملتا رہا کہ کسی ارمان بخاری نوٹنگونے اس اشتہار کے خلاف رپورٹ درج نہیں کرائی اور یہ کہ ہر پولیس اسٹیشن میں یہ اشتہار بہت دل چسپی سے پڑھا گیا ہے۔ بلکہ ارمان بخاری نوٹنگو کا ہر پولیس اسٹیشن پر انتظار کیا جا رہا ہے۔

”بھئی۔ کتنا خوش قسمت ہے یہ ارمان بخاری۔ کتنے لوگ

آج اس کا انتظار کر رہے ہیں۔ مگر وہ ہے کہ آنے کا نام ہی نہیں لے رہا۔“



”ارمان بخاری تو شہر میں کتنے ہی ہوں گے۔ لیکن ارمان بخاری نوٹنگو ایک سے زیادہ نہیں ہو سکتے۔ گویا پورے شہر میں ارمان بخاری نوٹنگو صرف ایک ہے۔ اور اسے ضرور کسی پولیس اسٹیشن تک پہنچ جانا چاہیے تھا۔ حیرت ہے۔ وہ اب تک کہاں رکا ہوا ہے۔ کیا اس نے ابھی تک یہ اشتہار نہیں پڑھا؟“

”ہاں! اس کا بھی امکان ہے۔ ہو سکتا ہے۔ وہ اپنے گھر سے کہیں دور گیا ہوا ہو۔ ایسی جگہ جہاں لوگ اس کو نہ جانتے ہوں اور وہاں ہو سکتا ہے، ابھی تک اسے اخبار دیکھنے کا بھی موقع نہ ملا ہو۔“

”جب ارمان بخاری کو ہی ابھی تک پتا نہیں چلا تو ہم بھلا اسے کس طرح تلاش کر سکتے ہیں۔“ فاروق نے کہا۔  
”ابھی پولیس اسٹیشن مکمل نہیں ہوئے۔ محمود نے بتا کر کہا۔“

”وہ بادی بادی فون کرتا چلا گیا۔ ہر جگہ مایوسی کا سامنا کرنا پڑا۔ آخر تک مار کر اس نے ریسیور رکھ دیا۔“  
”نہیں بھئی۔ اس کا کوئی پتا نہیں۔“

”تو پھر دفع کر دو۔ ہم نے کوئی ٹھیکہ لے رکھا ہے۔“  
”سوال یہ ہے کہ کسی کو یہ اشتہار دینے کی کیا ضرورت

تھی۔ اگر اسے یہ کام کرنا تھا تو وہ چپ چاپتے کرگزتا، اشتہار دینے سے اس کا کیا مقصد ہے؟“

”یہ بات پہلے ہی ہو چکی ہے۔ وہ کوئی شیخی خورہ شخص ہو گا۔“

”نہیں۔ اب مجھے یقین ہو چلا ہے۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ اس اشتہار میں بھی ضرور کوئی داز ہے۔“

”لو بھئی۔ اب اشتہار میں بھی داز نکل آیا۔ باقی رہ گیا جائے گا پھر۔“ فاروق نے گہرا کر کہا۔

اسی وقت دروازہ کھلا اور انسپکٹر جمشید باہر نکل کر ان کی طرف بڑھے، پھر ٹھٹک کر رُک گئے۔

”کیا کوئی خاص بات ہو گئی ہے؟“

”آپ نے کیسے جان لیا؟ محمود بولا۔“

”تمہارے چہروں پر لکھا ہے۔ کہ کوئی خاص بات ہو گئی ہے۔ وہ مسکرائے۔“

”آپ کا اندازہ درست ہے۔ یہ دیکھیے۔ ایک اشتہار۔“  
محمود نے کہا اور اخبار ان کے سامنے کر دیا۔ وہ اس کو پڑھتے چلے گئے، پھر مسکرا کر بولے:

”پھر۔ تم نے کیا اندازہ لگایا؟“  
”یہ کہ کوئی شیخی بگھارنے والا شخص ہے۔“



"ہاں! اس کا امکان ہے، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے۔  
 جیسے اس اشتہار سے وہ کوئی خاص فائدہ اٹھانا چاہتا ہے۔  
 مثلاً ایک شخص ارمان بخاری نوٹنگو نام کا ہے۔ اس کو کسی  
 نے اغوا کر رکھا ہے۔ اور وہ اس کے گھر والوں سے اس  
 کو رہ کرنے کے لیے ایک بہت بڑی رقم کا مطالبہ کر چکا  
 ہے۔ لیکن گھر والے وہ بڑی رقم ادا نہیں کر سکے۔  
 اب اس نے تنگ آکر۔ انہیں ڈرانے کے لیے یہ اشتہار  
 شائع کرایا ہے۔"

"اور ہاں! یہ بات بھی ہو سکتی ہے۔ لیکن آبا جان۔  
 جن لوگوں سے وہ رقم حاصل کرنا چاہتا ہے۔ وہ کیوں پولیس  
 اسٹیشن نہیں پہنچے؟"

"ہاں! یہ بات ضرور عجیب ہے۔ لہذا ہو سکتا ہے۔  
 بات کوئی اور ہو۔ خیر۔ کیا تم اس کیس پر کام کرنا چاہتے  
 ہو؟ وہ مسکرا کر بولے۔"

"دل تو چاہ رہا ہے، کیونکہ معاملہ ہے دلچسپ۔  
 میری طرف سے اجازت ہے، لیکن میں تمہارا ساتھ نہیں  
 دے سکوں گا۔ مجھے آج ایک سرکاری میٹنگ میں جانا ہے۔  
 جی بہتر! انہوں نے ایک ساتھ کہا۔"

انہوں نے ناشتا کیا، پھر ان سے رخصت ہو گئے۔

آج چٹھی کا دن تھا۔ لہذا وہ ارمان بخاری میں دل چسپی  
 نہ لیتے تو کیا کرتے۔ ایسے میں فرزانہ نے بلند آواز میں کہا:  
 "میرے ذہن میں ایک بات آئی ہے۔"  
 "یہ کوئی نئی بات نہیں! فاروق نے فوراً کہا۔  
 کیا مطلب؟"

"ایک بات ہمیشہ تمہارے ذہن میں ہی آتی ہے۔ ہمارے ذہنوں  
 میں نہیں! فاروق نے منہ بنایا، محمود مسکرا دیا اور بولا:  
 "بھئی جلتے کیوں جا رہے ہو۔ تم بھی ایک بات ذہن میں  
 لے آیا کرو۔"

"پہلے اس کی ایک بات تو سن لو۔ فاروق تڑ سے بولا۔  
 "ہاں فرزانہ۔ وہ کیا بات ہے؟"

"یہ کہ۔ ہم کیوں نہ ٹیلی فون ڈائریکٹری میں کسی ارمان  
 بخاری نوٹنگو کا نام دیکھیں؟"

"ضروری نہیں کہ اس کے گھر میں فون بھی موجود ہو۔ فاروق  
 نے منہ بنایا۔"

"دیکھ لیتے ہیں خرچ بھی کیا ہے۔"

"ہوں۔ خیر۔ فاروق نے کندھے اچکائے۔"

انہوں نے الف والے ناموں کو دیکھنا شروع کیا۔ اور  
 پھر ایک جگہ ان کی نظریں اٹک کر رہ گئیں۔ وہاں نہ صرف



ارمان بخاری نوٹنگو نام موجود تھا۔ بلکہ آگے فون نمبر بھی درج تھا۔ اور تھا بھی اسی شہر کا۔



”یہ۔ یہ ہم کیا دیکھ رہے ہیں۔ فرزاز بڑبڑاتی۔  
”صاف ظاہر ہے۔ ارمان بخاری نوٹنگو کا نام دیکھ رہے ہیں۔“  
محمود بولا۔

”بلکہ ساتھ میں فون نمبر بھی دیکھ رہے ہیں۔ غاروق مسکرایا۔  
”کیا خیال ہے۔ فون کریں۔“ فرزاز بولی۔  
”میرا خیال ہے۔ فون کرنا مناسب نہیں ہو گا۔ اور یوں کام بھی نہیں بنے گا۔ ہمیں خود ہی جانا چاہیے۔“ محمود نے تجویز پیش کی۔

”اس سے پہلے کہ ہم یہاں سے جائیں۔ ایک کام اور کر لیں۔“ فرزاز بولی۔

”چلو۔ وہ کام بھی بتا دو۔“  
”ابھی ڈائریکٹری میں اس نام کی تلاش جاری رکھی جائے، یہاں تک کہ الف والے نام ختم ہو جائیں۔ ہو سکتا ہے۔ اس نام کا کوئی اور آدمی بھی ہو۔“

”بہت مشکل ہے۔ صرف ارمان بخاری نام ہوتا تو یہ بات کہی جا سکتی تھی۔“  
”دیکھ لینے میں کیا حرج ہے۔“  
”خیر۔ یوں ہی سہی۔“

”انہوں نے پھر نظریں دوڑانا شروع کیں، لیکن آخر تک کوئی اور نام نظر نہ آیا۔ اب وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔  
”اتنی جان۔ ہم ذرا ارمان بخاری نوٹنگو سے ملنے جا رہے ہیں۔“  
”میں تمہاری باتیں سنتی رہی ہوں۔ اس کا فون نمبر مگک میں لکھ دو۔ تاکہ تم لوگوں کی واپسی میں دیر ہو تو فون کر کے معلوم تو کر لوں۔“ انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا۔  
”جی بہتر۔ تینوں ایک ساتھ بولے۔“

تھوڑی دیر بعد وہ کار میں بیٹھے ارمان بخاری نوٹنگو کے گھر کا رخ کر رہے تھے۔ ڈائریکٹری میں ۲۰۳ رضوان کالونی پتا لکھا ہوا تھا۔ وہ جانتے تھے۔ رضوان کالونی بہت دولت مند لوگوں کی کالونی تھی۔ کوئی چھوٹا موٹا دولت مند تو اس کالونی میں زمین خریدنے کی ہمت بھی نہیں کرتا تھا۔

”اُنہیں کوٹھی نمبر ۲۰۳ تلاش کرنے میں کوئی دقت نہ ہوئی۔ کوٹھی بہت عالی شان تھی۔ محمود نے آگے بڑھ کر گشتی کا بیٹن دبا دیا۔ نیم پلیٹ پر موٹے حروف میں لکھا

تھا۔ ارمان بخاری نوٹنگو۔

جلد ہی قدموں کی آواز سنائی دی۔ اور کالے رنگ کا بھونڈے  
سے نقش و نگار والا ایک شخص نظر آیا :  
”جی۔ فرمائیے۔“

”ہمیں۔ مسٹر ارمان بخاری نوٹنگو سے ملنا ہے۔“  
”کیا !!! اُس نے چیخ کر کہا۔“

## خفیہ دھمکی

اُس کی کیا نے اُنھیں بوکھلاہٹ میں مبتلا کر دیا۔ وہ اُنھیں  
اس طرح گھور رہا تھا جیسے کاٹ ہی تو کھائے گا۔  
”خیر تو ہے جناب۔ ہم نے آپ کو لاشمی تو نہیں دے ماری۔“  
”آپ نے کیا کہا۔ کس سے ملنا ہے؟ اس نے بے یقینی کے  
عالم میں کہا۔“

”مسٹر ارمان بخاری نوٹنگو صاحب۔“

”کیا !!! وہ پھر چلا اُٹھا۔“

”دیکھیے جناب۔ اگر آپ اسی طرح سوال پوچھتے رہے اور ہم  
جواب میں یہ نام کہتے رہے اور آپ زور سے کیا کہتے رہے تو  
آپ زور سے کیا کہتے رہے تو ضرور بالضرور۔ وہ پھٹ جائیں گے۔“  
فادوق نے جلدی جلدی کہا۔

”وہ کیا پھٹ جائیں گے۔ اس نے مزہ بنا کر کہا۔“

”مم۔ میرا مطلب ہے۔ ہمارے کانوں کے پردے۔“



"بہت کمزور پردے ہیں آپ لوگوں کے کانوں کے۔ آپ کو ان کا علاج کرا لینا چاہیے۔" اُس نے کہا۔

"مشورے کا شکریہ۔ عمل کرنے کی کوشش کریں گے۔"

"اب آپ مہربانی فرما کر مسٹر ارمان بخاری نوٹنگو کو ہماری آمد کی اطلاع دیں۔ کارڈ لے جانا چاہیں تو ہمارے پاس وہ بھی ہیں۔"

"مجھے افسوس ہے۔ میں آپ کو نوٹنگو صاحب سے نہیں ملوا سکتا۔"

"کیوں۔ کیا وہ آج کے اخبارات پڑھ کر کہیں چپ گئے ہیں؟"

"آج کے اخبارات۔ کیا مطلب۔ ان میں ایسی کیا بات ہے۔" کیا اس گھر کے کسی فرد نے ابھی تک اخبار نہیں دیکھے؟

"اس گھر کے افراد گیارہ بجے سے پہلے اُٹھتے ہی کب ہیں۔ رہ گئے ملازم لوگ۔ انہیں اخبارات دیکھنے کی اتنی فرصت کب ملتی ہے۔ کام ہی بے تماشہ ہے یہاں۔ اس نے جلتے کٹے انداز میں کہا۔

"تب پھر۔ آپ نے یہ کیوں کہا کہ آپ ہمیں ان سے نہیں ملوا سکتے؟"

"مجبوری ہے۔" اس نے کہا۔

"کیا مطلب۔ مجبوری کیسی؟"

"ایک ایسی مجبوری جس کا توڑ کسی کے پاس نہیں۔" اس نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

"آپ کی بات ہماری سمجھ میں نہیں آئی۔" فاروق نے اسے گھورا۔

"آجائے گی آہستہ آہستہ۔" اُس نے جواب دیا۔

"آپ بھی عجیب ہیں۔" محمود نے جل کر کہا۔

"ہاں، یہ بات میرے بارے میں اور لوگ بھی کہ چکے ہیں۔" اُس نے خوش ہو کر کہا۔

"حد ہو گئی۔ ارے صاحب۔ ہم ارمان بخاری نوٹنگو صاحب سے ملنے آئے ہیں۔ اگر وہ بھی گیارہ بجے اُٹھنے کے عادی ہیں اور آپ کو یہ اجازت نہیں کہ اس وقت سے پہلے انہیں جگائیں۔ تو پھر ٹھیک ہے۔ صاف صاف بتا دیں۔ ہم گیارہ بجے آجائیں گے۔" محمود نے جھنجھلائے ہوئے انداز میں کہا۔

"ایسی بھی کوئی بات نہیں۔"

"تو پھر۔ بات آخر ہے کیا۔" یہ بتائیں نا۔"

"بات یہ ہے جناب کہ ارمان بخاری نوٹنگو صاحب اب اس دنیا میں نہیں ہیں۔ ان کا تو پچھلے سال انتقال ہو چکا ہے۔" کیا انا وہ حیرت زدہ رہ گئے۔

”جی ہاں؟ اب آپ ہی بتائیں۔ میں ان سے آپ کو کس طرح ملوا سکتا ہوں؟“  
 ”کیا آپ پڑھے لکھے ہیں؟ محمود نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔“

”ہاں کیوں نہیں۔ لیکن بہت زیادہ نہیں۔“

”شکریہ۔ اخبار میں شائع ہونے والا یہ اشتہار ذرا آپ پڑھ لیں؟“  
 ”غیر۔ کیوں نہیں؟“

اس نے ہرگز کر محمود کے ہاتھ سے اخبار لے لیا اور اخبار پڑھنے لگا۔ اس کی آنکھیں حیرت زدہ انداز میں چمکتی چلی گئیں۔



اشتہار مکمل پڑھنے کے بعد اُس نے ان کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں شدید الجھن تھی۔ پھر وہ تیزی سے اندر کی طرف مڑا اور قریب دوڑتا چلا گیا۔

”یہ کیا ہوا اسے۔ کوئی بات کیے بغیر ہی اندر چلا گیا۔“  
 ”شاید جلد ہی واپس آئے گا۔“ فرزاز بولی۔

لیکن فرزاز کا خیال غلط نکلا۔ اس کی واپسی جلد نہیں ہوئی۔ پورے دس منٹ بعد وہ واپس آیا۔ اس کے ساتھ اب تین نوجوان اور ایک لڑکی بھی تھے۔

”یہ ہیں وہ لوگ۔ جو اخبار لے کر آئے ہیں؟“  
 ”کلم۔ کیا آپ اندر تشریف لا سکتے ہیں؟ ان میں سے ایک نے کہا۔“

”غیر۔ کیوں نہیں۔ دس منٹ تک یہاں بٹوں ہی تو نہیں کھڑے رہے۔“ فاروق نے جل جھن کر کہا۔

”اوہ۔ معاف کیجیے گا۔“ ملازم سے غلطی ہوئی۔ اسے چاہیے تھا۔ آپ کو اندر بٹھا کر ہمیں جگانے جاتا۔“  
 ”چلیے خیر کوئی بات نہیں؟“

”جائینوس ان سے معافی مانگو۔“

”آپ جانتے ہیں سر۔ جائینوس کسی سے معافی نہیں مانگتا۔“  
 ملازم نے جتنا کر کہا۔

”آج تو مانگنا ہو گی۔ لڑکی چیخ کر بولی۔“  
 ”نہیں۔ نہیں ہو سکتا۔“ جائینوس نے تیز آواز میں کہا۔

”رہنے دیجیے۔ صاحبان۔ ہمیں معافی سکوانے کا ایسا کوئی شوق نہیں۔“



"آپ کو نہ ہوگا شوق۔ لیکن اخلاق بھی کوئی چیز ہے۔ جب اس سے غلطی ہوئی ہے۔ تو اس کو معافی مانگنا ہوگی۔ ہرگز نہیں۔ میں نے کوئی غلطی نہیں کی۔ میں تو اشتہار پڑھ کر ہوش و حواس کھو بیٹھا تھا اور آپ کو اطلاع دینے کے لیے دوڑ پڑا تھا۔ ان حالات میں یہ کس طرح کہا جاسکتا ہے کہ مجھ سے غلطی ہوئی ہے۔"

"بالکل ٹھیک، میں بھی یہی کہتا ہوں۔ محمود نے جلدی سے کہا۔ اگر آپ بھی یہی کہتے ہیں تو پھر ہمیں بھلا کیا اعتراض ہو سکتا ہے، لیکن ایک بات میں پھر بھی کہوں گا۔ اگرچہ جالینوس سے بدحواسی میں غلطی ہوئی۔ اس لیے اسے کوئی سزا تو نہیں دی جاسکتی، لیکن اب اس کا بھی اخلاقی فرض ہے کہ اپنی غلطی کا احساس کرتے ہوئے آپ سے معافی مانگے۔"

"اوہ۔ واقعی میں غلطی پر تھا، مجھے اپنی غلطی کا اعتراف ہے۔ آپ مجھے معاف کر دیں۔" جالینوس نے شرمندہ ہوتے ہوئے کہا۔

"ہم تو پہلے ہی کہ چکے ہیں کہ معافی مانگنے کی کوئی خاص ضرورت نہیں ہے، لیکن چوں کہ آپ پھر بھی مانگ رہے ہیں۔ اس لیے ہم نے معاف کیا۔" محمود بولا۔

اور پھر وہ انھیں ڈرائنگ روم میں لے آئے۔ المینان

سے بیٹھنے کے بعد ان میں سے ایک بولا:

"پہلے تو ذرا تعارف ہو جائے۔ میں ریحان بخاری ہوں، یہ فرمان بخاری ہے۔ یہ سلمان بخاری۔ اور یہ ہماری بہن نورین بخاری ہیں۔ ارمان بخاری نوٹنگو ہمارے والد گرامی تھے۔ پچھلے سال ان کا انتقال ہو گیا۔ ان حالات میں یہ اشتہار دیکھ کر ہمیں بہت حیرت ہوئی۔ حیرت کیوں نہ ہوگی۔ کسی مرے ہوئے شخص کو بھی بھلا کوئی قتل کرتا ہے۔"

"بالکل نہیں۔" فاروق نے جلدی سے کہا۔

"یہ نوٹنگو کیا چیز ہے۔ ذات تو نہیں ہے۔"

"جی نہیں۔ یہ ان کا تخلص تھا۔ شاعرانہ مزاج تھا ان کا۔ ٹوٹے پھوٹے اشتہار بھی کہا کرتے تھے۔"

"اوہ اچھا۔ اور وہ کیا کرتے تھے؟"

"کرنا کرنا کیا ہے۔ دادا جان ایک بہت بڑی جاگیر کے مالک تھے۔ پھر وہ جاگیر والد گرامی کے ہاتھ آئی۔ انھوں نے بیچ دی۔ روپیہ بنکوں میں جمع کرا دیا۔ اب اتنا منافع ہر سال ملتا ہے کہ ہم دل کھول کر خرچ کرتے ہیں، لیکن پھر بھی ختم نہیں ہوتا۔"

"آپ کا مطلب ہے۔ آپ لوگ کوئی کام نہیں کرتے۔ نہ آپ سمجھ والد گرامی کوئی کام کرتے تھے۔" فاروق نے جمل

کر کہا۔

”آپ نے بالکل ٹھیک اندازہ لگایا۔ ان حالات میں ہمیں کچھ کرنے کی ضرورت بھی کیا ہے۔ کھایا پیا۔ ادھر ادھر گھومے پھرے۔ گھر یلو کھیلیں کھیلیں اور سو گئے۔ صبح دیر تک سوتے رہے۔ عیش ہے اپنی۔“

”معاف کیجیے گا۔ آپ ہماری باتوں کا برا تو نہیں مانیں گے؟“

”آپ نے اب تک جو باتیں کی ہیں۔ ان کی بات کر رہے ہیں یا اب جو کرنی ہیں، ان کی؟“

”اب جو ہم کرنے لگے ہیں۔“

”چلیے ہم فراخ دلاذ وعدہ کرتے ہیں کہ برا نہیں مانیں گے۔ اور فرمائیں۔“

”شکریہ۔ گزارش یہ ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے بے کار پیدا نہیں کیا۔ اس کی پیدائش کا ایک مقصد ہے اور وہ یہ کہ انسان اپنے خالق کو پہچانے۔ اس کی عبادت کرے۔ اس کے احکامات پر عمل کرے۔ اس کے نبی جو دیں لائے، اس پر عمل کرے۔ اور دوسروں کے حقوق ادا کرے۔ ہمارا خیال ہے۔ آپ ان میں سے ایک کام بھی نہیں کرتے۔“

”یہ تو آپ کچھ خشک باتیں لے بیٹھے۔“ سلمان نے مذہبنا

کر کہا۔

”آپ سے اس قسم کی باتیں شاید زندگی میں پہلے کسی نے نہیں کیں۔“ محمود بولا۔

”اے! یہ تو ہے۔ خیر۔ ہم آپ کی ان باتوں پر غور کریں گے۔ والد صاحب کے بارے میں ہم آپ کو بتا ہی چکے ہیں۔ لہذا ہمیں ان کے قتل کیے جانے کا کوئی خطرہ نہیں۔ اور فرمائیے۔“

”گو یا آپ یہ چاہتے ہیں کہ ہم چلتے پھرتے نظر آئیں۔“ فاروق مسکرایا۔

”یہ۔ یہ تو خیر ہم نے نہیں کہا۔ فرمان بولا۔“

”چند سوال اور کریں گے۔ آپ کے والد کی موت کن حالات میں ہوئی؟“

”بالکل عام حالات میں۔ اُس رات وہ بالکل پُر سکون انداز میں سوتے، لیکن صبح مُردہ ملے۔ ہم نے ان کی موت کا اعلان کیا اور پھر انہیں دفن دیا گیا۔“

”ڈاکٹر کو تو بتلایا گیا ہو گا؟“

”جی ہاں! وہ تو ظاہر ہے۔“

”شکریہ۔ بس ہمیں اپنے ڈاکٹر کا نام بتا دیں۔“

”توفیق پاشا۔“ نورین نے مذہبنا کر کہا۔



"کیا اب آپ ہمارے ڈاکٹر صاحب کو پریشان کریں گے جا کر؟"

"ایسی کوئی بات نہیں۔ کیا آپ ہماری آمد سے پریشان ہوئے؟"

"نہیں۔ وہ ایک ساتھ بولے۔"

"ڈاکٹر صاحب کا پتا بھی بتا دیں تو بڑی مہربانی ہوگی۔"

"ہم شجران روڈ۔ یہیں ان کی رہائش ہے۔ اور یہیں کلینک ہے۔"



"ڈاکٹر توفیق پاشا؟" محمود نے سوالیہ انداز میں کہا۔

"جی فرمائیے۔ کیا خدمت کر سکتا ہوں۔ ویسے میں ایک نظر دیکھ کر ہی بتا سکتا ہوں کہ آپ تینوں میں سے کوئی ذرا سا بھی بیمار نہیں ہے۔" ڈاکٹر صاحب نے مسکرا کر کہا۔

"یہ تو آپ نے ٹھیک کہا۔ نون فیملی کے ڈاکٹر آپ ہی ہیں؟ فاروق بولا۔"

"نون فیملی۔ میں سمجھا نہیں۔ اس نام کی کسی فیملی کا میں ڈاکٹر نہیں ہوں۔" انھوں نے کہا۔

"ارمان بخاری نوٹنگو کے ڈاکٹر بھی نہیں رہے آپ؟" محمود نے فاروق کو گھورتے ہوئے کہا۔

"اوہ ہاں۔ کیوں نہیں۔ تو آپ ان کی بات کر رہے ہیں، لیکن وہ نون فیملی تو نہیں کہلاتے۔"

"مرمت کھلانے سے ہی تو کچھ نہیں بنتا۔ اب دیکھیے نا۔"

ارمان بخاری میں بھی نون موجود ہے۔ اب ان کی اولاد کے نام سنئیے۔ ویسے تو آپ کو معلوم ہی ہوں گے۔ سلمان بخاری، فوہان بخاری، ریحان بخاری، نورین فیملی۔ یہ نون فیملی ہی یا نہیں۔"

"اوہ واقعی۔" ڈاکٹر نے ہنس کر کہا، پھر بولے:

"بہت خوش مزاج واقع ہوئے ہیں آپ۔"

"جی کچھ زیادہ ہی۔" فرزانہ نے جمل کر کہا۔

"ہاں تو کیا بات ہے؟"

"ایک سال پہلے۔ جب ارمان بخاری کی موت واقع ہوئی تھی۔ تو آپ نے ان کا طبی معائنہ کیا تھا۔ یہ ٹھیک ہے؟"

"بالکل ٹھیک ہے۔ تو پھر؟"

"کل۔" گیا وہ واقعی مر گئے تھے؟ فاروق بولا۔

"کیا مطلب۔ کیا کچھ لوگ جھوٹ موت بھی مر جاتے ہیں؟"

ڈاکٹر توفیق نے حیرت زدہ انداز میں کہا۔

"میرا مطلب ہے۔ آپ نے کیا بات معلوم کی تھی۔ ان

کی موت کس طرح واقع ہوئی تھی۔

”اُن کے دل کی حرکت رُک گئی تھی۔“

”کیا وہ دل کے مریض تھے۔ اور آپ کے زیرِ علاج تھے؟“

”ہاں! بہت عرصے سے انہیں دل کی تکلیف تھی۔ دو بار دورہ

بھی پڑ چکا تھا۔ اس رات تیسری مرتبہ دورہ پڑا، لیکن وہ اپنی

اولاد کو جگانے کے۔ صبح وہ انہیں مُردہ ہی ملے۔“

”شکریہ جناب۔ اب ہم اجازت چاہیں گے۔“ محمود نے اٹھتے ہوئے کہا۔

”لیکن بات کیا ہے۔ اب ارمان بخاری صاحب کی موت کے

بارے میں پوچھ گچھ کیوں کی جا رہی ہے۔“

”کوئی صاحب مٹر ارمان بخاری کو قتل کرنا چاہتے ہیں۔“

”کیا کہا۔“ ڈاکٹر صاحب چلائے۔

”یہ اشتہار ملاحظہ فرمائیے۔“ محمود نے ان کے آگے بھی اخبار

کر دیا۔

”اشتہار پڑھ کر ان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں:

”یہ۔۔ یہ کیا بات ہوئی؟“

”بات تو جناب۔ اشتہار دینے والا ہی بتا سکتا ہے۔ اور

یہ ہم جانتے نہیں کہ وہ کون ہے۔“ فاروق نے بے چارگی کے

عالم میں کہا۔

”عجیب بات ہے۔ آخر کسی کو ایسا اشتہار دینے کی کیا ضرورت

تھی؟“

”کاش! ہم جانتے۔ آپ کو بھی ضرور بتا دیتے۔“

”اور میں آپ سے پوچھ بھی نہیں رہا۔ سمجھے۔ آپ تشریف

لے جا سکتے ہیں۔“

”بہت بہتر! بہت بہت شکریہ۔“ محمود بولا۔

”وہ اٹھ کر باہر نکل آئے۔“

”اب کیا کریں؟“

”کونے کے لیے اس کیس میں رکھا ہی کیا ہے۔“ آؤ گھر چلیں۔“

فاروق نے فردا کہا۔

”لیکن اگر۔ اس نامعلوم شخص نے آج شام سات بجے اس بے چارے

کو قتل کر دیا تو ہمیں بہت افسوس ہوگا۔“ فرزانہ نے پریشان آواز

میں کہا۔

”لیکن کس بے چارے کو؟“ محمود نے اسے گھورا۔

”ارمان بخاری کو۔“

”وہ تو ایک سال پہلے مر چکا ہے۔“

”فرض کر لیتے ہیں کیا حرج ہے۔ کہ ارمان بخاری صاحب

نہیں مرے تھے۔“

”نہیں مرے تھے۔ کیا مطلب۔ یہ کیا بات ہوئی۔“



”ہاں! ہم فرض کر لیتے ہیں کہ بخاری صاحب نہیں مرے تھے۔ اور یہ راز کوئی شخص جانتا ہے۔ لہذا اُس نے اخبار کے ذریعے ان لوگوں کو دھمکی دی ہے۔ خفیہ دھمکی۔“

”فرزانہ۔ تم بہت عجیب بات کر رہی ہو۔“

”لیکن۔ یہ بات ہو سکتی ہے۔“ فرزانہ نے پُر زور لہجے میں کہا۔

”اور ایک سال پہلے۔ پھر کون مرا تھا۔ ارمان بخاری کہاں ہے“

”یہی تو ہمیں پتا چلنا ہے۔“ فرزانہ مسکرائی۔

”پھر اب کیا کریں؟ محمود بے چین ہو کر بوللا۔“

”آؤ۔ میرے ساتھ۔“

فرزانہ نے کہا اور کاد کی طرف بڑھ گئی۔

## گہرا راز

”فرمائیے میں کیا خدمت کر سکتا ہوں۔“ اخبار کے ایڈیٹر نے ان کے کارڈوں پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

”آپ کے آج کے اخبار میں ایک اشتہار شائع ہوا ہے۔“

”ہم اس اشتہار کے سلسلے میں حاضر ہوئے ہیں۔“

”آپ کا اشارہ کون سے اشتہار کی طرف ہے؟ ایڈیٹر نے پوچھا۔“

”جی۔ اس کی طرف۔“ محمود نے اخبار اس کی طرف کر دیا اور

اشتہار پر انگلی رکھ دی۔

”ہوں! کیا بات کرنا چاہتے ہیں؟ پڑھ لینے کے بعد اس

نے کہا۔“

”یہ اشتہار دینے کوں شخص آیا تھا؟ اس کا کیا نام تھا؟“

”کیا علیہ تھا؟“

”یہ تو آرڈر نوٹ کرنے والا کلرک بتا سکتا ہے۔“

”انہیں یہیں بلا لیں۔“ محمود نے کہا۔

”اچھی بات ہے۔“ اُس نے کہا اور گھنٹی کا بٹن دبا دیا۔

ایک منٹ بعد کلرک اُن کے سامنے بیٹھا تھا :  
”یہ محمود، فاروق اور فرزاد ہیں۔ انیکٹر جشیہ صاحب کے بچے۔“

”ان سے کون واقف نہ ہوگا سر؟“ کلرک بولا۔

”شکریہ۔ یہ اشتہار آپ نے وصول کیا تھا؟“ محمود نے جلدی سے کہا۔

”جی۔ جی ہاں! اُس نے اشتہار پر ایک نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

”اشتہار لانے والے کا نام پتا اور ضمیمہ بتا سکتے ہیں؟“

”صرف ضمیمہ بتا سکتا ہوں۔ اشتہار لانے والے کا نام پتا نوٹ کرنے کی ہمیں ضرورت نہیں ہوتی۔“

”چلیے ضمیمہ ہی بتا دیں۔“ محمود نے کہا اور نوٹ بک سنبھال لی۔

”اُس کا رنگ کالا تھا۔ چہرہ جدا سا تھا۔ جسم بھاری جرم کم تھا۔ قریباً جیٹھی لگتا تھا، لیکن جیٹھی تھا نہیں؟“

”ہوں۔ شکریہ۔ اور کوئی بات جو آپ بتا سکیں۔“

”اُس کی آنکھیں بہت چھوٹی چھوٹی تھیں۔ اور بالکل سیاہ تھیں۔“

”اور کوئی بات؟“

”کیا یہ ضمیمہ کافی نہیں ہے؟“ اُس نے منہ بنا کر کہا۔

”ہاں! کافی تو ہے۔ خیر بہت بہت شکریہ۔“

”یہ اشتہار ہمیں بھی بہت عجیب لگا تھا۔ اسی لیے اس کا

ضمیمہ یاد رہ گیا۔ ورنہ نہ جانے کتنے لوگ اشتہار لے کر آتے

ہیں۔ کس کس کا ضمیمہ آدمی یاد رکھ سکتا ہے۔“

”ہاں! آپ نے ٹھیک کہا۔ آؤ جی جلیں۔“ محمود نے اُٹھتے

ہوئے کہا۔

”آپ نے یہ نہیں بتایا کہ معاملہ کیا ہے؟“

”اس اشتہار میں ایک دعویٰ کیا گیا ہے۔ یہ کہ آج شام

دو ارمان بخاری کو قتل کر دے گا اور کوئی بھی اسے نہیں

بچا سکے گا۔ لیکن مشر ارمان بخاری ایک سال پہلے فوت ہو

چکے ہیں۔“

”کیا مطلب؟“ ایڈیٹر زور سے چونکا۔

”جی! مطلب یہ کہ جب ایک شخص مر جاتا ہے تو پھر کوئی

شخص اسے قتل نہیں کر سکتا۔ لیکن ہوئے والے قاتل صاحب

کہتے ہیں۔ قتل کر کے رہوں گا۔“ فاروق نے جملے کٹے انداز

میں کہا۔

”پھر آپ کیوں ہریشان ہیں؟“

”ہم یہ جانتا چاہتے ہیں کہ ایک مردہ شخص کو وہ کس طرح

قتل کر سکتا ہے۔ اور اسے فائدہ کیا ہو گا۔“

”پتا نہیں کیا چکر ہے۔“ ایڈیٹر نے جھٹکا کر کہا۔



اور وہ باہر نکل آئے۔ دوسرے اخبارات سے بھی یہ  
تحلیہ معلوم ہوا، گویا اشتہار ایک ہی آدمی نے دیا تھا۔ اب وہ  
دفتر پہنچے۔ اکرام انہیں دیکھ کر کھل اٹھا۔  
"ضرور کوئی مسئلہ درپیش ہے۔ اور انپکٹر صاحب سرکاری  
میشنگ میں گئے ہوئے ہیں۔ کیوں نہیں ہے نا۔ اس نے مسکرا  
کر کہا۔

"آپ آج کل کسی نجومی کی صحبت میں تو نہیں رہنے لگے۔"  
فاروق مسکرایا۔

"انپکٹر صاحب بھی کسی نجومی سے کم تو نہیں۔" اکرام نے بھی  
مسکرا کر جواب دیا۔  
"ہمیں ایک شخص کی تلاش ہے۔ ٹھہریے۔ پہلے ساری بات  
بتا دیں۔"

عمود نے یہ کہہ کر پہلے تو اشتہار اُس کے سامنے کر دیا۔  
اسے دیکھتے ہی اکرام نے کہا:  
"یہ میں دیکھ چکا ہوں۔"

"پھر آپ نے کیا اندازہ لگایا تھا پڑھ کر۔"  
"یہی کہ اگر آپ لوگوں نے اس اشتہار کو پڑھ دیا تو اس  
معاطے میں دل چسپی لیے بغیر نہیں رہیں گے۔" اکرام بولا۔  
"یہ اندازہ تو آپ کا ہمارے بارے میں ہے۔ ہم تو

اشتہار کے بارے میں پوچھ رہے ہیں۔"  
"اشتہار عجیب ضرور ہے، لیکن اس کی مختلف وضاحتیں ہو  
سکتی ہیں۔" اکرام نے کہا۔  
"لیکن انکل۔ آپ اس صورت میں کیا رائے قائم کریں گے  
جب ارمان بخاری ایک سال پہلے مر چکا ہے۔"  
"ہائیں۔ کیا مطلب؟"

"جی ہاں! اب سنئے۔ اشتہار دینے والے کا تعلق محمود نے  
کہا اور تعلق دہرانے کے بعد بولا:  
"کیا آپ کی یادداشت کے ریکارڈ میں اس تعلق کا کوئی  
آدمی موجود ہے؟"

اکرام چند لمحے تک خیالات میں گم رہا، پھر اُس نے کہا:  
"نہیں۔ یہ شخص کم از کم عادی مجرم تو نہیں ہے۔"  
"ہوئی! تب تو ہمیں دانتوں پسینہ آجائے گا۔" فرزاد بولی۔  
"اتنی تو گرمی نہیں بڑ رہی۔" اکرام حیران ہو کر بولا۔  
"یہ پسینہ با محاورہ ہے انکل۔" فاروق بولا۔  
"لوہ سمجھا۔ پھر اب کیا کرنے کا ارادہ ہے؟"

"تفتیش کے لیے ہمارے پاس کوئی داتا نہیں۔ لہذا ہم  
مہر شکر کر کے سات بجنے کا انتظار کریں گے۔"  
"سات بجنے کا انتظار۔ گویا قاتل کو موقع دیا جائے گا

کہ جو کرنا ہے، کرو۔ ہمارا کام بعد میں شروع ہو گا۔ اکرام نے منہ بنا کر کہا۔

تب پھر۔ آپ ہی بتائیں انکل۔ ہم کیا کریں؟  
"ایک سال پہلے۔ کے حالات اور واقعات کی چٹان بین کیوں نہیں کرتے۔"

"اوہ ہاں! کچھ نہ کرنے سے کرنا بہتر ہے۔ شکریہ انکل۔ ہم چل دیے۔" محمود نے فوراً کہا۔



"آپ کی یادداشت کیسی ہے۔ بڑے میاں؟ فاروق نے سانس بیٹھے ہوئے بوڑھے سے کہا۔

"بہت اچھی۔ اپنے بچپن کی باتیں میں اب تک بتا سکتا ہوں۔"  
"یہ کوئی خاص بات نہیں۔" فاروق نے منہ بنا کر کہا۔  
"کیا مطلب۔ خاص بات کیوں نہیں۔" بوڑھے نے براہمان کر کہا۔

"پرسوں دوپہر کو آپ نے کیا کھایا تھا؟"

"م۔ میں نے۔ پرسوں دوپہر۔ وہ تو اب یاد نہیں۔"  
"پھر آپ نے یہ کیسے کر دیا کہ یادداشت بہت اچھی ہے۔"

اپنے بچپن کی باتیں تو ہر کوئی بتا دیتا ہے۔ اس لیے کہ وہ واقعات ذہن پر نقش ہو جاتے ہیں۔ خیر۔ ایک سال پہلے ایک دولت مند آدمی مرا تھا۔ اس کی لاش کو غسل آپ نے دیا تھا۔ اب میں اس کا نام لینے لگا ہوں۔ یہ کڑ کر محمود رنگ گیا۔

بوڑھے کے چہرے پر حیرت کے آثار نمودار ہوئے۔ آنکھوں میں الجھن تیر گئی۔ اسی وقت محمود نے کہا:  
"دولت مند آدمی کا نام ارمان بخاری نوٹ لگو تھا۔"  
"اوہ۔ ہاں! مجھے یاد ہے۔ وہ گھبرا کر بولا۔

"کیا آپ نے اس سے پہلے ہی ارمان بخاری کو دیکھا ہوا تھا؟"

"جی نہیں۔ اسی روز جانے کا اتفاق ہوا تھا۔"  
"گویا آپ یقین سے نہیں کر سکتے کہ آپ نے کس شخص کو نہلایا تھا؟"  
"کیا مطلب؟ وہ زور سے چوٹا۔

"مطلب یہ کہ آپ کو نہیں معلوم کہ آپ نے ارمان بخاری کے مُردے کو نہلایا تھا یا کسی اور شخص کے مُردے کو۔"  
"یہ کیا بات ہوئی۔ مجھے تو ارمان بخاری کے مُردے کو ہی نہلانے کے لیے بلایا گیا تھا۔ بوڑھے نے حیران ہو کر کہا۔



"ہاں! ہم سمجھتے ہیں۔ آپ کیا کہہ رہے ہیں، لیکن فرض کر لیں۔ آپ کے سامنے کسی اور مردے کو لٹا دیا گیا ہو۔ اور بچوں کو آپ کو معلوم ہی نہیں کہ ارمان بخاری کا حلیہ کیا تھا، لہذا آپ نے یہی خیال کر لیا کہ آپ ارمان بخاری کو نہلا رہے ہیں۔ محمود نے کہا۔

"صاف ظاہر ہے۔ مت تو۔ تو کیا جس کو میں نے نہلایا تھا، وہ ارمان بخاری نہیں تھا۔ اس نے حیران ہو کر کہا۔

"پتا نہیں، ابھی تو ہم بھی کچھ نہیں کہہ سکتے۔ یہ بات تو طے ہے تاکہ آپ نے کسی مردہ انسان کو نہلایا تھا۔

"ہاں! اور کیا۔ بالکل۔ اس نے کہا۔

"شکریہ بڑے میاں۔ یہی کافی ہے۔ آؤ بھی چلیں۔

اب وہ قبرستان پہنچے۔ فرزاد کو باہر ہی چھوڑ دیا گیا۔ ایک گورکن نے انہیں گھور کر دیکھا۔

"کوئی قبر تیار کروانی ہے صاحب؟"

"ابھی تو نہیں۔ لیکن موت تو آکر رہے گی۔ فاروق نے کہا۔

"تو پھر۔ کسی قبر کی درستگی کے لیے آئے ہیں؟ گورکن نے پوچھا۔

"آپ کو ارمان بخاری نوٹنگو کی قبر تو معلوم ہوگی۔ محمود

نے کہا۔

"ہاں کیوں نہیں۔ تو آپ ارمان بخاری کی قبر پر فاتحہ پڑھنے کے لیے آئے ہیں۔ آئیے میں لے چلوں آپ کو۔"

"بہت بہت شکریہ۔ محمود نے خوش ہو کر کہا۔

"مسٹر ارمان بخاری نے ایک سال پہلے وفات پائی تھی۔ آپ کو تو یاد ہوگا۔

"بالکل یاد ہے۔"

"ان کی قبر بھی آپ نے تیار کی تھی؟"

"میں نے اور میرے دو ساتھیوں نے۔"

"مرنے سے پہلے ارمان بخاری نوٹنگو کا چہرہ دکھایا گیا تھا یا نہیں؟"

"یہ بات تو یاد نہیں۔ کیوں؟"

"آپ نے دیکھا تھا ان کا چہرہ؟"

"نہیں۔ ہم تو قبر تیار کرنے میں لگے تھے۔ اس نے بتایا۔

"بہر حال۔ کوئی مردہ دفن ضرور کیا گیا تھا؟"

"تو کیا۔ لوگ یہاں جھوٹ موت کا جنازہ لے کر آتے ہیں۔ اس نے برا مان کر کہا۔

"آتے تو نہیں۔ لیکن آ ضرور سکتے ہیں۔ اس دنیا میں کیا

نہیں ہو سکتا۔

”پتا نہیں۔ آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔“

”چلیے۔ ہمیں ارمان بخاری کی قبر پر لے چلیے۔“

قبر پر آنکھوں نے فاتحہ پڑھی۔ گورکن کو چند روپے دیے اور قبرستان سے باہر نکل آئے۔ فرزاد کار میں انتظار کر رہی تھی:

”کیا رہا؟“

”مردے کو دفن کیا گیا تھا۔ یہ معلوم نہیں۔ وہ مردہ ارمان بخاری کا ہی تھا یا کسی اور کا۔“

”ہوں! اس کا مطلب ہے۔ ہمیں سات بجے تک انتظار کرنا ہو گا۔“

”سات بجے تو قاتل اپنا کام کر چکا ہو گا۔“

”لیکن کیسے۔ ارمان بخاری کو نہ لایا گیا اور دفنایا بھی گیا۔ ان حالات میں یہ کیوں کر کہا جاسکتا ہے کہ آج شام سات بجے تک اسے قتل کر دیا جائے گا۔“

”اشتہار دینے والا پاگل نہیں ہے۔ اس معاملے کی تہ میں ضرور کوئی گہرا راز ہے۔“ محمود نے کہا۔

”راز معلوم کرنا تو ہماری گتھی میں پڑا ہے جیسے۔“ فادون نے منہ بنایا۔

”کیا۔ ارمان بخاری نوٹنگو نام کا کوئی اور شخص نہیں ہو سکتا؟ بہت مشکل ہے۔ اگر ہوتا تو ضرور اب تک کسی پولیس اسٹیشن کو رپورٹ کر چکا ہوتا۔“

”ہم نے بلاوجہ ہی یہ الجھن مول لے لی۔ چٹھی کا دن ضائع کر دیا۔ یہ کسی کا مذاق بھی ہو سکتا ہے۔“

”لیکن آج یکم اپریل نہیں ہے۔“

”اور لوگ صرف یکم اپریل کو ہی مذاق نہیں کرتے۔ اور

دفنوں میں بھی مذاق کرتے رہتے ہیں۔“

”کیا تم اب یہ نتیجہ نکالنے کی کوشش کر رہے ہو کہ یہ کسی کا مذاق ہے۔“ محمود نے اسے گھورا۔

”ہاں! اس نے خود کہا۔“

”لیکن خدا سوچو۔ اس نے اس مذاق کے لیے کتنے پیسے خرچ کیے ہیں۔ آج کل اخبارات میں اتنا اشتہار چھپوانے میں بھی کئی ہزار روپے خرچ آجاتے ہیں۔ نہیں جی۔ یہ بات حلق سے نہیں آتی۔“

”یوں تو اس معاملے میں کوئی بات بھی حلق سے نہیں آتی رہی۔“ فادون نے منہ بنایا۔

”فرزاد۔ کچھ تم ہی کہو۔ کیا کریں؟“

”کرنے کو تو اس کیس میں بہت کچھ ہے۔ تم تو یونہی



پریشان ہو رہے ہو۔

”کیا مطلب؟“

”چلو۔ بتاتی ہوں۔“

تھوڑی دیر بعد وہ ایک بار پھر ارمان بخاری کی کوشی کے دروازے پر دستک دے رہے تھے۔ جو نہی جالینوس نے دروازہ کھولا۔ انہیں ایک جھٹکا لگا۔

## یہ وہی ہے

”خ۔ خیر تو ہے جناب۔ آپ مجھے دیکھ کر چونک کیوں گئے؟“  
 ”چونکا ہماری عادت ہے۔ یا یوں کہ لیں۔ کہ چونکنے کا اور ہمارا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ فاروق مسکرایا۔“  
 ”پتا نہیں۔ کیا باتیں کر رہے ہیں۔“  
 ”نون برادرزگہ میں ہیں؟ فاروق نے جیسے آس کا جملہ سنا ہی نہیں۔“

”لگ۔ کون؟“

”نون برادرز۔ یعنی سلمان، لویمان، فرمان۔“

”اوہ ہاں۔ وہ گھر میں ہی ہیں۔ بلکہ نورین صاحبہ بھی ہیں۔“

”شکریہ۔ ہم ان سے ملنا چاہتے ہیں۔“

”تھوڑی دیر پہلے ہی تو آپ بل کر گئے ہیں۔ اس کے لیے میں حیرت تھی۔“

”تو کیا ہوا؟ ہمیں تو یہاں پتا نہیں ابھی کتنی مرتبہ آنا پڑا۔“

”ہوں! میں انہیں بتاتا ہوں۔ اس نے کہا اور انہیں ڈرائنگ روم میں لے آیا۔ پھر اطلاع دینے چلا گیا۔

”یہ۔ یہ تو بالکل جشی گھتا ہے۔“ فرزاد بڑبڑائی۔

”اور ہر اخبار والے نے یہی بتایا ہے کہ اشتہار دینے والا جشی شکل صورت کا تھا۔“

”اسی وقت قدموں کی چاپ سنائی دی اور چاروں بھائی بہن اندر داخل ہوئے :

”آپ لوگ پھر آگئے؟“

”جی ہاں! کیا کیا جائے۔ اب دیکھیے نا جناب، اگر آج شام سات بجے مسٹر ارمان بخاری صاحب کو ہلاک کر دیا گیا تو یہ بھی تو کوئی اچھی بات نہیں ہوگی۔“

”لیکن۔ وہ کس طرح ہلاک کیے جا سکتے ہیں۔ جب کہ پہلے ہی فوت ہو چکے ہیں۔“ فرحان نے چلا کر کہا۔

”کیا میں ایک فون کر سکتا ہوں؟“ محمود نے پوچھا۔

”دس فون کیجیے۔ یہ آپ نے کیا بات پوچھی؟“

”اجازت لینا اخلاقی فرض ہے۔“ اس نے کہا اور کسی کے نمبر

ڈائل کیے، پھر بولا :

”ہاں دیکھیے۔ تھوڑی دیر پہلے ہم آپ کے پاس آئے تھے، جی ہاں۔ اسی اشتہار کے سلسلے میں۔ خدا اپنے کلرک کو ارمان بخاری

صاحب کے ہاں بھیج دیں۔ تھوڑی دیر کے لیے۔ بہت اہم معاملہ ہے۔ بہت بہت شکریہ۔“ اس نے کہا اور ریسپورڈ کر دیا۔

”یہ۔ یہ آپ نے کس کو بلایا ہے؟“ ریحان نے الجھن کے عالم میں کہا۔

”ابھی معلوم ہو جائے گا۔ آپ نے سات بجے کے لیے کیا حفاظتی انتظامات کیے ہیں؟“

”بھلا ہمیں حفاظتی انتظامات کرنے کی کیا ضرورت ہے؟“ سلطان نے برا سامنے بنایا۔

”ہمارے خیال میں بہت ضرورت ہے۔ بلکہ آپ پولیس کو فون کر دیں۔“

”اور ان سے کہیں کیا۔ یہ کہ ہمارے مرحوم والد صاحب کو کوئی قتل کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔“ فرحان نے جھلا کر کہا۔

”فرض کر لیں۔ اُن کا ایک دشمن تھا۔ وہ دو سال پہلے ملک

سے باہر چلا گیا تھا۔ اب وہ آیا ہے۔ اور انتقام کا جذبہ اب اس

کے سینے میں سر جیس مار رہا ہے۔ لہذا اس نے یہ معلوم کیے

بغیر کہ ارمان بخاری صاحب زندہ ہیں یا فوت ہو چکے ہیں۔

اخبار میں اشتہار دے دیا۔ اس کا مطلب ہے۔ وہ شام کو

سات بجے یہاں آئے ہوں۔“

”تو کیا ہوا۔ یہاں والد گرامی ہوں گے ہی نہیں۔“



"ارے تو آپ تو ہوں گے۔ وہ غصے میں آکر آپ پر بھی  
تو حملہ آلود ہو سکتا ہے۔ محمود نے جل کر کہا۔

"اوپر ان کے منہ سے مارے خوف کے نکلا۔

"اب کیا ہوا؟ فاروق مسکرایا۔

"اس پہلو کی طرف تو ہماری توجہ گئی ہی نہیں تھی۔

"ان پہلوؤں میں بس یہی خرابی ہے۔ کسی کی ان کی طرف

توجہ نہیں جاتی۔ فاروق نے منہ بنا کر کہا۔

"پھر خرابی پہلوؤں میں کب ہوئی۔ یہ تو توجہ میں ہو گئی۔

فرزاد مسکرائی۔

"میری ٹانگ لینے کی کوشش نہ کرنا۔ ہاں۔ فاروق اس کی

طرف الٹ پڑا۔

"مجھے ضرورت بھی نہیں۔ میرے لیے دو ہی کافی ہیں۔

فرزاد بولی۔

"یہ آپ کس قسم کی باتیں کرنے لگے۔ نورین نے گہرا کر کہا۔

"جب بہن بھائیوں میں محبت زیادہ ہو تو وہ اس قسم کی

نوک جھوک بھی کیا کرتے ہیں۔ ارے ہاں۔ جی فاروق۔

تم ذرا باہر کھڑے ہو جاؤ۔ اور جو صاحب آئیں۔ انہیں اندر

لے آؤ۔

"اچھا؟ اس نے غرا کر کہا اور باہر نکل گیا۔

"آپ دن رات لڑتے ہی تو نہیں رہتے؟

"رات کو تو خیر ہم آرام کرتے ہیں۔ وہی دن کی بات،

دن تو ہوتا ہی ہے کچھ نہ کچھ کرنے کے لیے۔ محمود نے کہا

اور پھر فاروق اخبار کے کلرک کو لے کر اندر داخل ہوا۔

"ہم نے آپ کو زحمت دی۔ محمود بولا۔

"کوئی بات نہیں جناب۔ میں کیا خدمت کر سکتا ہوں؟

"یہ اشتہار جس شخص نے دیا تھا۔ اگر وہ آپ کے سامنے

لایا جائے۔ تو کیا آپ اس کو پہچان لیں گے؟

"کیوں نہیں پہچانوں گا بھلا۔

"شکریہ۔ مشٹر ریمان۔ ذرا مشٹر جالینوس کو بلائیے۔

"کیا کہا۔ جالینوس۔ اخبار والا حیران ہو کر بولا۔

"صرف جالینوس کہا ہے۔ مکیم جالینوس نہیں۔ اس لیے آپ

کو گہرائی کی ضرورت نہیں۔ فاروق نے منہ بنایا۔

"جالینوس۔ تم کہاں ہو۔ ذرا ادھر آؤ۔

"آیا جناب؟ کہیں دور سے جالینوس کی آواز سنائی دی۔

اور پھر قدموں کی آواز آجری۔ دوسرے ہی لمحے جالینوس اندر

داخل ہوا۔

"یہ۔ یہ تو ہی ہے۔ کلرک چلایا۔

"کیا مطلب؟ جالینوس زور سے چونکا۔

ادھر نون فیملی کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ انہیں حیران دیکھ کر وہ بھی حیران ہوتے بغیر نہ رہ سکے۔

”آپ کس بات پر حیران ہوتے؟“

”ان صاحب نے ہمارے ملازم کے بارے میں جو یہ کہا ہے۔ یہ تو ہی ہے۔ ہم اس پر حیران ہیں۔ آخر یہ چکر کیا ہے؟“

”اخبار میں اشتہار دینے کے لیے جو آدمی اخبارات کے دفاتر میں گیا۔ ہم نے ان حضرات سے اس کا حلیہ پوچھا تھا۔ ان لوگوں نے جو حلیہ بتایا۔ وہ بالکل جالینوس جیسا تھا۔ ہم نے مناسب خیال کیا کہ ان سے جالینوس کی شناخت کرائی جائے۔ مطلب یہ کہ یہ اشتہار خود آپ کے ملازم نے اخبارات میں دیا ہے۔“

”نہیں!! وہ ایک ساتھ چلا تے۔“

”اُن کے منہ کھلے کے کھلے اور آنکھیں پٹی کی پٹی رہ گئیں۔“



ادھر انہوں نے جالینوس کی طرف دیکھا۔ اس کا چہرہ پُر سکون تھا۔ گہرا ہنٹ یا پریشانی کے دور دور تک آثار نہیں تھے۔

یہ دیکھ کر انہیں اور بھی حیرت ہوئی، اُن کا تو خیال تھا کہ وہ بُری طرح بوکھلا جائے گا۔

”جالینوس۔ تم پر ایک مدد الزام لگایا گیا ہے۔ جواب میں تم کیا کہتے ہو؟“

”یہ کہ۔ ان صاحب کو ضرور غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں تو دن رات یہاں رہتا ہوں۔ اس بات کی گواہی تو آپ بھی دیں گے۔“

”اوہ ہاں! یہ تو خیر بالکل ٹھیک ہے۔“

”لہذا ان صاحب نے پہچاننے میں غلطی کی ہے۔“

”نہیں۔ وہ آپ ہی تھے۔ جو اشتہار دینے آئے تھے۔“

”میں تو یہ بھی نہیں جانتا کہ اخبارات کے دفاتر کہاں کہاں ہیں۔ اور پھر مجھے یہ اشتہار دینے کی ضرورت کیا تھی۔ یہ بھی تو سوچئے۔“

”ہاں! ہم سوچ رہے ہیں۔ نکر ذکر کریں۔ فائدہ تو بولا۔“

”اب تو ہمیں دوسرے کلرک صاحبان کو بھی بلانا ہو گا۔“

”ذرا دیکھیں تو سہی۔ وہ انہیں دیکھ کر کیا کہتے ہیں۔ محمود نے کہا۔“

”ضرور۔ کیوں نہیں۔ ہو سکتا ہے، وہ بھی مجھے وہی آدمی خیال کریں۔ لیکن اس کے باوجود میں وہ نہیں ہوں جس نے“

”اشتہادات اخبارات کے دفاتر تک پہنچائے ہیں۔“

”جب کئی آدمی گواہی دیں گے تو آپ کے بیان کی کوئی“



اہمیت نہیں رہ جائے گی۔ محمود نے مذہب بنا کر کہا۔

”ہیں۔ میں کیا کر سکتا ہوں۔“

محمود نے دوسرے کوک صاحبان کو فون کیا۔ کچھ گھنٹے تک وہ بھی پہنچ گئے۔ انھوں نے جوں ہی جالینوس کو دیکھا، پکار اٹھے:

”ہی، میں وہ صاحب۔ جو اشتہار لینے آئے تھے۔“

”اب۔ مسٹر جالینوس۔ فاروق بولا۔“

”میرا جواب دہی ہے۔ اس نے گدھے اچکائے۔“

”اب آپ لوگ کیا کہتے ہیں؟ محمود فون فیملی کی طرف مڑا۔“

”ہم حیران ہیں۔ پریشان ہیں کہ یہی کیا کہتے ہیں۔“

”آپ لوگ کچھ کریں یا ذکر کریں۔ سات بجے کا خیال ضرور کریں۔“

فاروق مسکرایا۔

”آخر سات بجے کیا ہوگا۔ جب کہ یہاں اصل چیز یہی

نہیں ہے۔“

”جہاں تک میرا خیال ہے۔ ارمان غلامی نوٹنگو صاحب کو

قتل کر دیا جائے گا۔ محمود نے کہا۔“

”کیا بات کہتے ہیں۔ دیکھانے لگا کر کہا۔“

”آپ نہیں مانتے۔ نہ مانیں۔ لیکن سات بجے کے بعد

آپ ضرور مان جائیں گے۔“ فاروق بولا۔

”آپ تو ہمیں ڈراتے دے رہے ہیں۔“

”ہم خود ڈرے ہوئے ہیں۔ مسٹر جالینوس۔ آپ کو تو کچھ نہیں کتنا ہم سے۔“

”صرف اور صرف یہ کہ وہ اشتہار میں نے نہیں دیا۔“

”تب پھر اس شہر میں کوئی ایسا شخص ہے۔ جس کی شکل

صورت بالکل آپ سے ملتی جلتی ہے۔“ فرزانہ بڑبڑائی۔

”اللہ آپ کا بھلا کرے۔ ضرور یہی بات ہے۔“ جالینوس نے

خوش ہو کر کہا۔

”لیکن یہ بات اسی وقت درست سمجھی جائے گی۔ جب ہم

اس کو دیکھ لیں۔“ فاروق جلدی سے بولا۔

”میری سمجھ میں ایک بات آئی ہے۔“ اچانک فرزانہ نے چٹکی

بجا کر کہا۔

”میرا تو خیال تھا۔ اس کیس میں تمہاری سمجھ میں کوئی بات

نہیں آئے گی۔“ فاروق کے لیے میں حیرت تھی۔

”سن تو لو پہلے۔“ فرزانہ نے اسے گھورا۔

”لیکن شرط یہ ہے کہ بات کام کی ہو۔“ محمود نے کہا۔

”اللہ کو ہی معلوم ہے۔“ ان تو بات یہ ہے کہ جو شخص جس

اخبارات کے دفتر اشتہار لے کر گیا۔ اشتہار ہاتھ سے لکھ کر

لے گیا ہوگا۔“

"اوه! محمود اور فاروق کے منہ سے نکلا۔ اس پہلو کو وہ نظر انداز کر گئے تھے۔"

"ہم اگر وہ چٹیں اخبارات کے دفتر سے حاصل کر لیں تو اس کے ہاتھ کی تحریر ہمیں مل جائے گی اور اس طرح ہم ایک قدم آگے بڑھ سکیں گے۔"

"بہت خوب فرزانہ۔ تمہیں ماننا ہی پڑتا ہے۔" محمود نے خوش ہو کر کہا۔

"اے۔ لیکن کیا؟" فاروق نے فوراً کہا۔

"یہ کہ۔ یہ ہم سے ذہانت میں بہت آگے ہے۔"

"ہو گی تم سے۔ میری بات نہ کرو؟" فاروق نے منہ بنایا۔

اور نون فیملی مسکرا دی۔ ان حالات میں ان کا مسکرائنا انہیں

بہت عجیب لگا۔

"کیا خیال ہے جناب۔ آپ کے دفتر سے وہ چٹ مل جائے گی۔"

"بالکل۔ ہم ہر چیز کا دیکارڈ رکھتے ہیں۔ کل کو کوئی کہنے لگے۔ اس نے تو ان الفاظ کا اشتہار نہیں دیا تھا۔ کلک بولا۔"

"تو پھر چلیے۔"

وہ اس کے ساتھ اخبار کے دفتر میں آئے۔ اشتہار کے الفاظ والی چٹ جلدی ہی مل گئی۔ انہوں نے دوسرے دفاتروں

سے بھی چٹیں حاصل کر لیں۔ ہر چٹ پر ایک ہی ہاتھ سے تحریر لکھی گئی تھی۔ اب وہ پھر نون فیملی کے پاس آئے۔

"مہربانی فرما کر اپنے اپنے ہاتھ سے کچھ الفاظ لکھ کر دے دیں۔ مسٹر جالینوس۔ آپ بھی۔"

"کیا مطلب۔ اس کی کیا ضرورت؟" وہ چونکے۔

"ہم دیکھنا چاہتے ہیں۔ آپ میں سے تو کسی نے یہ اشتہار اپنے ہاتھ سے نہیں لکھا۔"

"پتا نہیں آپ کے ذہنوں میں کیا ہے۔ بھلا ہم کیوں لکھنے لگے ایسا اشتہار۔ کوئی ٹیک بھی ہے۔"

"ٹیک ہے یا نہیں۔ بس آپ لکھ دیں۔"

بھٹائے ہوئے انداز میں انہوں نے کچھ الفاظ لکھ دیے۔

"اپنی اپنی چٹ پر اپنا اپنا نام بھی لکھ دیں۔" محمود نے کہا۔

انہوں نے نام بھی لکھ دیے۔ جالینوس نے بھی چٹ لکھی

تھی۔ محمود نے چٹیں جیب میں رکھ لیں۔ تھوڑی دیر بعد وہ

تحریر کے ماہر کے پاس بیٹھے تھے۔

"اس چٹ سے ان چٹوں کو ہٹا کر دیکھنا ہے۔"

"اچھا۔" انہوں نے کہا اور تحریروں کی چھان پٹک میں مصروف

ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد انہوں نے کہا:

"نہیں بھی۔ ان میں سے تو کوئی اس چٹ سے نہیں ملتی۔"



”دھت تیرے کی۔ یہ کیا ہوا؟ محمود نے جھٹکا کر کہا۔

”کیا مطلب؟“ ماہر نے چونک کر کہا۔

”ہمارا خیال تھا۔ کم از کم ایک چٹ ضرور اس چٹ سے مل جائے گی۔“

”کون سی چٹ؟“ ماہر بولے۔

محمود نے جالینوس والی چٹ نکال کر ان کے سامنے کر دی۔

انہوں نے ایک بار پھر دونوں چٹوں کا بغور جائزہ لیا، پھر نفی میں سر ہلا کر بولے:

”نہیں جی۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔“

”شکریہ جناب۔“ اور وہ آٹھ کھڑے ہوئے۔

”میرا خیال ہے۔ ہم اس کیس میں بُری طرح ناکام ہو چکے ہیں، لہذا ہمیں اب گھر چلنا چاہیے۔ ہو سکتا ہے، آبا جان آ گئے ہوں، ہم تمام حالات انہیں سناتیں گے۔ شاید ان کے ذہن میں کوئی بات آجائے۔“ محمود نے کہا۔

”ٹھیک ہے۔“ دونوں ایک ساتھ بولے۔

وہ گھر پہنچے۔ وہاں انیکٹر جمشید موجود تھے۔ انہیں دیکھتے ہی

منکرا دیے:

”تو بالکل ناکام لوٹ آئے ہو؟“

”آپ کا اندازہ اکل درست ہے آبا جان۔“ محمود نے کہا۔

”معاذ کیا ہے۔ مجھے بتاؤ۔“

”انہوں نے پوری تفصیل سنا دی۔“

”ہوں! اور تم نے نون فیصلی سے یہ نہیں پوچھا کہ ارمان بخاری نے وصیت کیا کی تھی؟“

”بے شک ہم نے یہ سوال نہیں پوچھا۔ لیکن اس کی تو ضرورت ہی نہیں تھی۔“

”میرے خیال میں پوچھ لینا چاہیے۔“ وہ منکرائے۔

محمود نے نون فیصلی کے نمبر گھماتے:

”بیلو ریحان بخاری بول رہا ہوں۔ دوسری طرف سے کہا گیا۔“

”اور میں محمود ہوں۔ معاف کیجیے گا۔ ایک بار پھر آپ کو

زحمت دے رہا ہوں۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں۔ مرحوم ارمان بخاری

نے وصیت کیا چھوڑی تھی؟“

”کیوں۔ اس کی کیا ضرورت پڑ گئی؟ دوسری طرف سے

حیرت زدہ انداز میں پوچھا گیا۔

”بس۔ آپ بتا دیں۔“

”انہوں نے اپنی وصیت مرنے سے بہت پہلے لکھوا دی تھی۔“

ہر چیز کے ساتھ جتنے کیے جائیں گے۔ ہم تینوں بھائیوں کو دو

دو جتنے اور نورین کو ایک جتنے ملے گا۔ یہ تو تھی وصیت کی بات،

لیکن ہم بچوں کو ابھی تک اکٹھے رہ رہے ہیں۔ اس لیے۔“

وصیت پر عمل نہیں کیا گیا۔

"ایک منٹ خواب۔" محمود نے کہا اور ریسور پر ہاتھ رکھ کر یہ بات اپنے والد کو بتادی :

"اس سے پتہ چو۔ بخاری صاحب سے کسی کو دشمنی تو نہیں تھی۔ کسی کی ذات کو ان کی وجہ سے کوئی نقصان یا صدمہ تو نہیں پہنچا تھا۔"

محمود نے یہ الفاظ فون میں کہے۔

"اپنے ایک دشمن کا قہر سنایا تو تھا انہوں نے، لیکن وہ لمبا قہر ہے۔ کیا فون پر سناؤں؟"

"نہیں۔ ہم خود آ جاتے ہیں۔ اگر آپ محسوس ذکر کریں۔"

محمود نے بڑے جوش انداز میں کہا۔

"ضرور آ جائیں۔"

ریسور رکھ کر محمود نے انہیں یہ بات بھی بتادی۔

"تبا تو وہ مارا۔ فاروق بولا۔

"ابھی کچھ نہیں کہا جاسکتا! انکسٹر ہمیشہ مسکراتے۔

"کیا آپ بھی چل رہے ہیں آبا جان؟"

"نہیں۔ اس وقت تو تم ہی ہو آؤ۔ پہلے وہ قہر سن آؤ۔"

وہ پھر گھر سے نکل پڑے :

"معلوم ہوتا ہے۔ یہ کیس چین نہیں لینے دے گا۔ فریڈرک بڑا لڑائی۔

"کیس بے چارے کی کیا حیثیت ہے۔ ہم ہی چین نہیں لینے دے رہے۔ فاروق مسکرایا۔

"کس کو؟ فریڈرک نے حیران ہو کر پوچھا۔

"کیس کو۔ اور کس کو؟"

"یاد آوٹ پٹانگ نہ لانا کرو۔ اب دیکھیں۔ اس قہر سے ہمیں کیا مدد ملتی ہے؟"

فون فیل ان کا انتظار کر رہی تھی :

"آپ لوگ بھی ہیں عجیب۔" ریکان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب؟ وہ چونکے۔

"مذہبیں سانس لینے دے رہے ہیں، نہ خود سانس لے رہے ہیں۔"

"ایسی تو کوئی بات نہیں۔ ہم تو بھی سانس لے رہے ہیں۔"

فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

"اب ہم آپ کو وہ قہر سنائیں؟" ریکان نے پوچھا۔

"اسی کے لیے تو آئے ہیں۔" محمود بولا۔ اس پر ریکان بخاری

کہنے لگا :

"یہ قہر آبا جان نے ہمیں اپنی وفات سے چند ماہ پہلے سنایا

تھا۔ اس روز وہ بہت خوف زدہ نظر آ رہے تھے۔ ہم نے

جب خوف کی وجہ معلوم کی تو جواب میں انہوں نے ڈر سے



دوسرے انداز میں کہا:

’آج۔ آج پندرہ سال بعد میں نے اسے پھر دیکھا ہے۔  
’کے۔ آپ کس کی بات کر رہے ہیں؟ ہم نے پوچھا۔

’وہ۔ میرا بدترین دشمن ہے۔ میں ان دنوں ایک دوست ٹمک  
میں رہا کرتا تھا۔ وہاں میرا ایک دوست بن گیا۔ وہ کسی  
تیسرے ٹمک کا تھا۔ اس کا نام شولی بنگر تھا۔ پھر ہم اکٹھے  
رہنے لگے۔ میں سیر و سیاحت کا بہت شوقین تھا اور اسی شوق  
کی وجہ سے ٹمکوں کی سیر کرتا پھرتا تھا۔ لیکن وہ ٹمک مجھے اس  
قدر پسند آیا کہ میں نے کچھ عرصہ وہاں گزارنے کا فیصلہ کر لیا،  
اس طرح مجھے وہاں رہنا پڑا۔ اور شولی بنگر کی دوستی اور دشمنی  
مول لینا پڑی۔ میں نے کبھی یہ توجہ نہیں دی تھی کہ شولی  
کیا کرتا ہے۔ لیکن ایک رات باتوں باتوں میں میں نے پوچھ  
لیا۔ بھئی شولی۔ تم نے یہ تو آج تک بتایا ہی نہیں کہ  
کرتے کیا ہو۔ میرا سوال سن کر اس کے منہ سے ایک جملہ  
نکل گیا۔ اور وہ جملہ اس کے منہ سے سوپتے بھگے بغیر ہی  
نکل گیا تھا۔ کیوں کہ میں نے صاف محسوس کیا تھا کہ جملہ کہنے  
کے فوراً بعد وہ گھبرا گیا تھا۔ خیر۔ وہ جملہ یہ تھا۔ بس دوست  
مجھ سے یہی سوال نہ کرنا۔ اس پر میں نے بھی بے ساختہ انداز  
میں پوچھا۔ کیوں۔ ایسی کیا بات ہے۔ اس وقت وہ باز

گول کر گیا۔ لیکن میں آنکھیں میں مبتلا ہو گیا۔ ایک دن جب  
وہ گھر سے باہر گیا ہوا تھا۔ میں نے اس کے سامان کی تلاشی  
لی۔ اور اس وقت مجھے یہ خوف ناک بات معلوم ہوئی کہ وہ  
تو کسی تخریب کار جماعت کا رکن تھا۔ اس کے سامان میں  
دستی بم اور اس قسم کی دوسری چیزیں بھی تھیں۔ ان دنوں  
اس ٹمک میں تخریب کار بموں کے دھماکے روزانہ ہی کر رہے  
تھے اور زور شور سے کر رہے تھے۔ اسناد میں سمجھ گیا کہ یہ بھی  
ضرور قحط پھوڑ پھانے والوں کا ساتھی ہے۔ اس روز کے بعد  
میں نے اس کی خفیہ نگرانی شروع کر دی۔ یہاں تک کہ مجھے  
یقین ہو گیا۔ کہ وہ تخریب کار ہی ہے۔ اب معاملہ چوں کہ  
دوست ٹمک کا تھا۔ اس لیے میں نے پولیس کو فون کر دیا۔  
پولیس خفیہ انداز میں آئی۔ اس نے اس عمارت کو گھرے  
میں لے لیا اور پھر پولیس کے نو جوان ہمارے کمرے میں آ  
گئے۔ انھوں نے ہم دونوں کو گھیر لیا۔ پھر نام پوچھے۔ میں  
نے اپنا نام بتا دیا۔ اس پر پولیس آفیسر نے کہا۔ کہ فون آپ نے  
کیا تھا۔ میں نے کہا ہاں۔ آفیسر نے پوچھا۔ تخریب کار ہی  
ہے۔ میں نے کہا، ہاں یہی ہے۔ انھوں نے اس کو گرفتار  
کر لیا اور تلاشی لینے پر ہم اور کاغذات وغیرہ برآمد کر لیے۔  
پولیس آفیسر نے میرا شکریہ ادا کیا، لیکن شولی بنگر نے کہا

جانے والی نظروں سے گھورتے ہوئے قسم کھا کر کہا کہ وہ مجھ سے اس کا انتقام ضرور لے گا۔ خیر پولیس نے مجھے قتل دی کہ اب یہ شخص کبھی بھی جیل سے نہیں نکل سکے گا۔

اول تو اسے پھانسی کی سزا ہو جائے گی۔ لہذا مجھے حکمران ہونے کی ضرورت نہیں، پولیس اسے لے کر چل گئی، لیکن دو دن بعد ہی میں نے ریڈیو پر یہ خبر سنی کہ شولی بنگر فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ اب تو میں ڈر گیا۔ میں نے کسی کو کچھ بتائے بغیر اپنے ملک کی راہ لی۔ میں نے شولی کو اپنے ملک کا نام ضرور بتا دیا تھا۔ لیکن اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ میں کس شہر میں اور کہاں رہتا ہوں۔ لہذا مجھے اطمینان تھا کہ وہ مجھ تک نہیں پہنچ سکے گا۔ اور پھر وقت گزرتا چلا گیا۔ میں اس کو بھول گیا۔ لیکن اب پندرہ سال گزرنے کے بعد وہ مجھے پھر نظر آیا ہے۔ وہ ایک ہوٹل کے بال میں کھانا کھا رہا تھا۔ میں بھی وہاں کھانا کھانے گیا تھا، اس ہوٹل کا کھانا مجھے بہت پسند تھا۔ لیکن مجھوں ہی میری نظر اس پر پڑی۔ میں نے اسے پہچان لیا۔ اور اگلے قدموں واپس چلا آیا۔ معلوم نہیں اس کی یہاں آمد میرے سلسلے میں ہے یا وہ اپنے ملک کے حکم کے تحت یہاں آیا ہے، تاہم میں خوف محسوس کیے بغیر نہیں رہا اور یہ کہانی تم لوگوں کو سنادی

ہے۔ بس جناب۔ یہ سچی ان کی کہانی۔ اس کے ایک ماہ بعد ان کی موت واقع ہو گئی۔

"تھوں! مشکل تو یہی ہے کہ وہ قدرتی موت مرے ہیں۔ انھیں قتل نہیں کیا گیا۔ لہذا اس کہانی سے بھی ہمیں کوئی مدد ملتی نظر نہیں آتی۔ محمود نے بڑے بڑانے کے انداز میں کہا۔ یہ سوچنا آپ کا کام ہے۔"

"ویسے کیا آپ کو یقین ہے کہ آپ کے والد فوت ہو گئے تھے۔ فادوقی بولا۔

"آپ۔ کیسی باتیں کر رہے ہیں، نورین بخاری نے بھٹا کر کہا۔ ان حالات میں اس قسم کی باتیں کی جاسکتی ہیں۔ دوسرے یہ کہ ہماری زندگی میں بہت عجیب و غریب قسم کے حالات اور واقعات سامنے آئے ہیں۔ ایک کیس میں ایسا ہی ہو چکا ہے کہ ایک شخص کا بہت خوف ناک دشمن اسے قتل کرنے آیا۔ لیکن خود اس کے ہاتھوں قتل ہو گیا۔ اب ہم بھی بابت یہاں فرض کر سکتے ہیں۔ فرزان نے جلدی جلدی کہا۔

"گگ۔ کیا مطلب؟

"مطلب یہ کہ فرض کیا۔ شولی بنگر نے آپ کا گھر تلاش کر لیا اور آس رات۔ یعنی جس کی صبح آپ کو اپنے والد قہرہ ملے، وہ انھیں قتل کرنے کی نیت سے آیا۔ لیکن مسٹر ارمان بخاری



کے ہاتھوں خود مارا گیا۔ اب مسٹر ارمان بخاری گھبرائے کہ انھیں تو پولیس قتل کے الزام میں گرفتار کر لے گی۔ لہذا انھوں نے آپ لوگوں کو جگایا۔ اور ساری بات بتائی۔ سوچنے اور غور کرنے کے بعد یہ طے کیا گیا کہ شولی بنگر کے چہرے پر ارمان بخاری صاحب کا میک اپ کر دیا جائے اور یہ مشہور کر دیا جائے کہ ان کا انتقال ہو گیا ہے۔ ڈاکٹر کو بخاری رشتہ دے دی جائے، وہ موت کا سرٹیفکیٹ لکھ دے گا۔ اور ارمان بخاری کسی اور میک اپ میں یہاں سے کچھ عرصہ کے لئے غائب ہو جائیں گے۔ پھر یہاں کسی اور جیلے میں آکر رہنے لگ جائیں گے، مثلاً کسی ملازم کے روپ میں۔ میرا مطلب ہے۔ اس وقت مسٹر ارمان بخاری مسٹر جالینوس کے روپ میں ہیں۔

"نہیں۔ یہ غلط ہے۔ جالینوس نے فوراً کہا۔

"آپ نے وضاحت تو بہت اچھی کی، لیکن اس میں چند خامیاں ہیں۔ فرمان بخاری بولا۔

"چلیے خامیوں کی نشان دہی آپ کو دیں۔

"میں نے۔ اگر ایسا ہی ہوا ہے۔ جیسا کہ آپ نے بیان کیا۔ تو پھر۔ آپ، ہمارے والد صاحب کو قتل کر دینے والا کون ہے اور کہاں سے نکل آیا ہے۔

"اوہ ہاں۔ واقعی۔ آپ کا اعتراض بہت وزنی ہے۔ فرزا بولی۔

"ان اعتراضات میں بس یہی بات بُری ہے۔ یہ وزنی بہت ہوتے ہیں۔ فاروق نے منہ بنایا۔

"اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ ارمان بخاری صاحب پر یہ کہانی فٹ نہیں بیٹھتی۔

"تب پھر۔ اب ہم کیا نتیجہ نکالیں۔ کیا کریں۔ فرزانہ نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔

"میرے ذہن میں ایک سوال ابھر رہا ہے۔ اگر آپ اس کا جواب دے سکیں۔

"پوچھیں۔ جواب معلوم ہوا تو ضرور دیں گے، کیوں کہ انھیں میں تو آخر ہم بھی ہیں۔

"ہوں ارمان بخاری صاحب کو شولی بنگر ایک ہوٹل کے ہال میں کھانا کھاتے ہوئے نظر آیا تھا۔ وہ بھی اس ہوٹل میں کھانا کھانے گئے تھے، اور انھیں اس ہوٹل کا کھانا بہت پسند تھا۔ کیا آپ اس ہوٹل کا نام بتا سکتے ہیں؟

"ہاں کیوں نہیں۔ انھوں نے جب ہمیں یہ کہانی سنائی تھی، تو ہوٹل کا نام بھی بتایا تھا۔

"اوہ بہت بہت شکریہ۔ جلدی بتائیں۔ محمود نے خوش ہو کر کہا۔

"لیکن اس ہوٹل کا نام معلوم کر کے کیا کریں گے؟

"شاید وہیں ہمیں اس کیس کا کوئی سراغ مل جائے۔

”اس ہوٹل کا نام ہوٹل کو برا ہے“

”ہم ابھی اور اسی وقت ہوٹل کو برا جا رہے ہیں۔ یہ کہتے ہوئے محمود آٹھ کھڑا ہوا۔“

نون فیملی کے مزے سے کوئی بات نہ نکل سکی۔ بس وہ انہیں رخصت ہوتے ٹکڑے ٹکڑے دیکھتے رہے۔ اب وہ تیز رفتاری سے ہوٹل کو برا کی طرف جا رہے تھے۔ ہوٹل کو برا ایک بہت عالی شان ہوٹل تھا۔ سارے پارک کر کے جو نہی وہ اندر داخل ہوئے۔ فرزانہ کو ایک جھٹکا سا لگا۔ اس کے آٹھ قدم رک گئے۔

”کیوں؟ خیر تو ہے۔ کوئی سانپ تو نظر نہیں آگیا۔“

”ادھر دیکھو۔ دیوار کے ساتھ والی میز کی طرف۔“

محمود اور فاروق نے اس طرف نظریں آٹھادیں۔ وہ بھی چونکے بغیر نہ رہ سکے، پھر ان کے قدم اس طرف آٹھنے لگے۔

## خطرناک آدمی

”کیا ہم یہاں بیٹھ سکتے ہیں جناب؟“ محمود نے میز کے نزدیک پہنچتے ہوئے کہا۔

”بہت سی میزیں خالی پڑی ہیں۔ پھر آپ یہیں کیوں بیٹھنا چاہتے ہیں؟“ جواب دیا گیا۔

”اس لیے کہ ہم صرف اسی میز پر بیٹھ سکتے ہیں۔ فاروق مسکرایا۔“

”کیا مطلب؟“ میز پر بیٹھے ہوئے شخص نے چونک کر کہا اور پھر نظریں اوپر آٹھا لیں۔

”ہائیں۔ آپ لوگ ہیں؟“ اسی کے مزے سے نکلا۔

”جی ہاں ڈاکٹر توفیق پاشا صاحب۔ ویسے آپ کو یہاں دیکھ کر

ہمیں بہت حیرت ہوئی ہے۔ خاص طور پر اس لیے بھی کہ مرحوم

اردمان بخاری صاحب بھی اس ہوٹل کو پسند کرتے تھے۔“ محمود نے

چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

”گگ۔ کیا مطلب؟“ انہوں نے گجرا کر کہا۔



”فون فیصل نے ہمیں یہی بتایا ہے۔ ارمان بخاری صاحب کو اس ہوٹل کا کھانا بہت پسند تھا۔“  
”تو پھر۔ میں کیا کر سکتا ہوں؟“

”ارمان بخاری صاحب ایک سال پہلے مر چکے ہیں، لیکن کوئی نامعلوم شخص آج شام سات بجے انہیں قتل کر دے گا۔“  
”آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟ اب اس کے پھر سے پر غصے کے آثار نظر آنے لگے۔“

”ہم بے چارے کیا کہیں گے۔ بس اتنا بتا دیں کیا آپ کو بھی اس ہوٹل کا کھانا بہت پسند ہے؟“  
”ہاں! یہ تو خیر ہے۔ اس نے بے بسی کے عالم میں کہا۔“  
”شکریہ، آپ یہاں کتنے عرصے سے آرہے ہیں؟“  
”بہت پرانا گاہک ہوں اس ہوٹل کا۔“

”گویا ارمان بخاری کو بھی یہاں آتے ہوئے دیکھتے رہے ہیں آپ؟ محمود نے فوراً کہا۔“  
”ہاں! یہ بھی ٹھیک ہے۔“

”بلکہ وہ اور آپ ایک ہی میز پر بیٹھ کر کھانا کھاتے رہے ہیں؟“

”ڈاکٹر توفیق پاشا محمود کو گھورنے لگا۔ پھر سر د آواز میں بولا:

”آپ مجھ سے کہلوانا کیا چاہتے ہیں؟“  
”ارمان بخاری زندہ ہیں یا واقعی مر چکے ہیں؟“  
”مر چکے ہیں۔“

”تب پھر وہ نامعلوم آدمی قتل کس کو کرے گا؟“  
”میں کیا کر سکتا ہوں؟ اس نے کندھے اچکا دیے۔“  
”آپ شولی بنگر کو جانتے ہیں؟ فاروق بولا۔“

”شولی بنگر۔ نہیں۔ یہ نام پہلی بار سن رہا ہوں۔“  
”اُسی وقت ایک میرا تیز تیز قدم اٹھاتا اس میز کی طرف آیا اور نزدیک آتے ہی بولا:

”مسٹر پاشا۔ آپ کا فون شیہ کرور مٹر گیا۔“  
”معاف کیجیے گا۔ یہ کرور ڈاکٹر توفیق آٹھے اور کاؤنٹر کی طرف چلے گئے۔“

”کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔ محمود نے بہتائے ہوئے انداز میں کہا۔“

”میری ماں۔ گھر چلتے ہیں۔ اگلا جان سے مشورہ کریں گے۔“  
”ایسا معلوم ہوتا ہے۔ جیسے اس شخص کو کوئی خاص بات معلوم ہے۔ لیکن یہ بتا نہیں رہا۔“

”کوئی بات نہیں۔ ہمیں کوئی ہلکا سا سراخ مل جائے، پھر ہم اس سے وہ راز اگوا لیں گے۔“ فرزانہ نے منہ بنایا۔

ڈاکٹر پاشا سبز رنگ کی ایک لمبی سی کار میں جاتے نظر آئے۔ انہوں نے بھی مناسب فاصلہ رکھ کر تعاقب شروع کر دیا۔ پندرہ منٹ بعد وہ اپنے کیلک میں داخل ہو رہے تھے۔  
 "یہ۔ یہ تو کچھ بھی نہ ہوا۔" محمود نے منہ بنایا۔

"کیا کچھ بھی نہ ہوا؟"

"یہ حضرت تو اپنے کیلک آ گئے۔"

"تو تم کیا چاہتے تھے۔ کوہ قاف پلے جاتے۔ فاروق نے مسکرا کر کہا۔

"نہیں کالے پہاڑ پر۔" محمود غرایا۔

"اد ہو۔ یہ کون سی وادی میں واقع ہے؟"

"ہم گھر چل رہے ہیں۔ آبا جان کو شامل کیجے بغیر اس کیس میں کامیابی کے امکانات نظر نہیں آ رہے۔ فرزاد کی آواز لہرائی۔  
 "شکریہ۔ یہ کیا ہے عقل مندانہ فیصلہ۔" فاروق خوش ہو گیا۔

"تینوں گھر پہنچے۔ لیکن انیسٹر جشیہ گھر میں نہیں تھے۔"

"آبا جان کہاں گئے اسی جان؟ فرزاد بولی۔

"بتا کر نہیں گئے۔ کسی کا فون آیا تھا۔ بس یہ کہ کر چل دیے۔ ایک گھنٹہ تک لوٹ آؤں گا۔ انہوں نے بتایا۔

"لو بھی۔ کہ لو آبا جان سے بات۔" فاروق لے بٹا کر کہا۔

"اُسی وقت انہوں نے ڈاکٹر کو ٹہرتے دیکھا۔ وہ اس کی طرف دیکھنے لگے۔ ڈاکٹر عجیب سے انداز میں ان کی طرف قدم اٹھا رہا تھا۔ اس کی پیشانی پر ربل پڑے ہوئے تھے۔  
 نزدیک آتے ہی اس نے کہا:

"م۔ معاف کیجیے گا۔ مجھے ایک ضرور کام آ پڑا ہے۔ میں یہاں مزید نہیں ٹھہر سکتا۔ اگر آپ کو مجھ سے کچھ اور باتیں پوچھنا ہوں تو کل میرے کیلک میں مل لیجیے گا۔  
 "کیا فرمایا۔ کل۔ لیکن نامعلوم آدمی نے تو آج شام تک کا وقت دیا ہے۔" فاروق نے گہرا کر کہا۔

"مجھے افسوس ہے۔ مجھے جانا ہو گا۔"

"یہ کڑ کر وہ دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ تینوں اس کے باہر نکلے ہی اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنی کار تک آ گئے۔  
 "کیا خیال ہے۔ اس کا تعاقب کیا جائے۔" محمود نے پُر جوش انداز میں کہا۔

"کر لینے میں کوئی حرج بھی نہیں۔" فرزاد بولی۔

"تمہارے نزدیک تو کسی کام کے کر لینے میں بھی کوئی حرج نہیں۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"بات دراصل یہ ہے کہ حرج کی تلاش میں تم رہتے ہو، ہم نہیں۔" فرزاد مسکرائی۔



”اُسی وقت فون کی گھنٹی بجی۔ محمود نے بے تابانہ انداز میں ریسپونڈ اٹھایا:

”السلام علیکم۔ محمود بول رہا ہوں۔“

”اور میں نیلا گھوڑا ہوں۔ دوسری طرف سے کہا گیا۔“

”یہ کیا نام ہوا؟ محمود نے حیران ہو کر کہا۔“

”شاید آپ کی یادداشت بہت کمزور ہے۔ دوسری طرف سے کہا گیا۔“

”کیا مطلب؟ محمود نے چونک کر کہا۔“

”آپ تو یہ بات بھی بھول گئے کہ آج اخبارات میں ارمان بخاری کے بارے میں جو اشتہار شائع ہوا ہے۔ اس اشتہار کو شائع کرانے والے کا نام کیا پڑھا تھا؟“

”اوہ۔ اوہ۔ یاد آ گیا۔ اشتہار بھی تو نیلا گھوڑا کے نام سے شائع کرایا گیا ہے۔“ محمود نے گہرا کر کہا۔“

”اب آپ ٹھیک سمجھے۔ ہاں تو میں نیلا گھوڑا ہوں۔“

”ہوں گے۔ ہم کیا کریں؟ محمود نے جل کر کہا۔“

”اگر آپ کچھ ضروری معلومات حاصل کرنا چاہتے ہوں تو مجھ سے ملاقات کریں؟“

”اور آپ سے ملاقات کہاں ہو سکے گی؟ اس نے پوچھا۔“

”کنگ روڈ، گلاب منزل۔ کمرہ نمبر چالیس۔“

”شکریہ۔ ہم کس وقت تشریف لائیں۔ مم۔ میرا مطلب ہے۔“

”ماضر ہوں۔ محمود نے گڑبڑا کر کہا۔“

”آپ تشریف ہی لے آئیں۔ شام پانچ بجے۔“

”آپ کا مطلب ہے۔ دو گھنٹے پہلے؟“

”میں سے دو گھنٹے پہلے؟“

”اب آپ کی یادداشت کو کیا ہوا۔ آپ نے اشتہارات میں“

”شام سات بجے کا وقت دیا ہوا ہے۔“

”اوہ ہاں۔ یہ بھی ٹھیک ہے۔ واقعی دو گھنٹے پہلے۔“

”کیا یہ بات واقعی درست ہے۔ کہ سات بجے ارمان بخاری“

”کو قتل کر دیا جاتے گا؟“

”ہاں بالکل! دوسری طرف سے کہا گیا۔“

”لیکن ان کا تو ایک سال پہلے انتقال ہو گیا تھا۔“

”اس قسم کے تمام سوالات کے جوابات میں ملاقات کے وقت“

”دوں گا۔ دراصل میں آپ سے ایک سودا کرنا چاہتا ہوں۔“

”تو ٹھیک ہے۔ ہم آ جاتے ہیں۔“ محمود نے کہا۔“

”شکریہ! میں انتظار کر رہا ہوں۔“

”دوسری طرف سے ریسپونڈ رکھ دیا گیا۔ محمود بھی ریسپونڈ رکھ کر“

”آن کی طرف مڑا اور گفت گو دہرا دی۔“

”یہ کوئی پال ہی ہو سکتی ہے۔“ فرزانہ بڑبڑاتی۔“

لیکن کیوں۔ ہم سے کوئی چال چل کر یہ شخص کیا فائدہ اٹھا سکتا ہے جلا۔

واقعی عجیب بات ہے۔ اب تک تو اس نے ہم سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اب ضرورت کیوں محسوس کی؟ ہم اس سے یہ بات بھی پوچھ لیں گے۔ محمود مسکرایا۔

تم تو ہیں۔ ہر وقت اندھے کنوئیں میں چلا لگ لگانے کے لیے تیار ہو جاتے ہو۔ فاروق نے تہلکا کر کہا۔

نہیں تو مجھے تو یہاں دور دور تک اندھا کنواں نظر نہیں آ رہا۔

بھائی مذاق نہ کرو۔ پہلی بار تو سراخ ملنے کا امکان نظر آیا۔ اور ہم اس موقع کو بھی ضائع کر دیں۔ یہ نہیں ہو سکتا۔

تو میں نے کب کہا ہے کہ۔ یہ ہو سکتا ہے۔ دیسے بہتر یہی ہے۔ فاروق نے شوخ آواز میں کہا۔

کیا بہتر یہی ہے؟

ہمیں چاہیے۔ اس واقعے کو واقعی ضائع کر دیں؟

اس طرح مزا نہیں آئے گا۔ دلیر بنو۔

بات بزدلی کی نہیں۔ عقل مندی کی ہے۔ لیکن اگر تم مجھے طعنہ دینے پر ہی اتر آتے ہو تو پھر میں تم سے دو قدم آگے چلوں گا۔ آؤ چلیں۔ اس نے فوراً کہا۔

چند منٹ بعد وہ گلاب منزل کے چالیسویں کمرے کے دروازے پر دستک دے رہے تھے، دروازہ فوراً کھلا اور لمبے قد کا سالن لنگ والا آدمی کھڑا نظر آیا۔

تشریف لائیے۔ آپ ضرور محمود، فاروق اور فرزانه ہیں۔

آپ کا اندازہ درست ہی لگتا ہے۔ فاروق نے منہ بنایا۔

جی۔ کیا فرمایا۔ درست ہی لگتا ہے۔ اس نے حیرت زدہ انداز میں کہا۔

اے! اگر ہم ایک آپ میں نہیں ہیں تو اندازہ بالکل درست ہے۔ دوز بالکل خطا۔

شکریہ! مجھے یقین ہے۔ آپ لوگ ایک آپ میں کہیں ہیں، تشریف رکھیے۔

یہیجیے۔ اکر لی۔ تشریف۔ اب فرمائیے۔ آپ نے ہمیں یہاں کیوں بلایا ہے؟

آپ اس کیس کے پہلے میں بہت جھاگ دوڑ کر رہے ہیں، میں نے سوچا۔ کیوں؟ آپ کی مدد کی جائے؟ اس نے مسکرا کر کہا۔

سب سے پہلے تعارف ضروری ہے۔ آپ تو ہمارے بارے میں جانتے ہیں، لیکن ہم آپ کا نام تک نہیں جانتے۔ میں دل بہار شاہ ہوں۔ اس نے کہا۔



”کیا یہ آپ کا فرضی نام ہے؟ فاروق نے حیران ہو کر پوچھا۔  
”جی ہاں۔ آپ تو نجومی معلوم ہوتے ہیں۔“ اس نے  
ہنس کر کہا۔

”صرف معلوم ہونے سے کام نہیں چلا کرتا جناب۔“ فاروق  
نے فوراً کہا۔

”خیر خیر۔ میرا نام یہی ہے۔ اور میں آپ کی مدد کرنا چاہتا  
ہوں۔“

”تو پھر کریں مدد۔“ محمود بولا۔

”ارمان بخاری دراصل میرے دوست تھے۔ مرنے سے کچھ  
عرصہ پہلے انھوں نے اپنی ایک کہانی مجھے سنائی تھی۔ اس نے  
پُر اسرار انداز میں کہا۔

”اوہو اچھا۔ تو انھوں نے آپ کو بھی یہ کہانی سنائی تھی؟

محمود چونکا۔

”کیا مطلب۔ آپ کو کیا معلوم۔ کہ انھوں نے مجھے

کون سی کہانی سنائی تھی؟

”مرنے سے کچھ عرصہ پہلے انھوں نے ایک کہانی اپنے گھر کے  
افراد کو بھی سنائی تھی۔ ہم نے سوچا۔ شاید آپ کو بھی انھوں  
نے وہی کہانی سنائی ہو۔“ محمود نے جلدی جلدی کہا۔

”اور وہ کہانی کیا تھی؟ دل بہادر شاہ نے بے چین ہو کر کہا۔

”وہ کسی شولی بنگر کی کہانی تھی۔ اس کے اشتقام کی۔“  
”اوہ۔ اوہ۔“

”تو آپ بھی ہمیں یہی کہانی سنانا چاہتے تھے؟“  
”ہاں! مجھے افسوس ہے۔ اس صورت میں تو میں نے آپ  
کا وقت ضائع کیا۔“

”کوئی بات نہیں۔ ہمارے ہاں وقت بے چارہ یوں بھی ضائع  
ہوتا ہی رہتا ہے۔“ فاروق نے منہ بنایا۔

”م۔ مجھے واقعی افسوس ہے۔ اس نے گہرا کر کہا۔

”ہاں ہاں! ہمیں یقین آچکا ہے۔“ محمود بولا۔

”تینوں اٹھ کر کمرے سے نکل آئے۔“

”یہ شخص میری سمجھ میں نہیں آیا۔ پتا نہیں۔ کیا مقصد تھا

اس کا۔“ خداداد بڑبڑائی۔

”سوال یہ ہے کہ اسے ہماری سرگرمیوں کے بارے میں علم  
کیوں کر ہے۔ نجومی تو یہ ہے نہیں۔ پرائیویٹ جاسوس قسم  
کی کوئی چیز تو نہیں ہے؟“

”اوہ ہاں۔ یہ بات ہو سکتی ہے۔ خیر میں ابھی انکل سے  
بات کرتا ہوں۔“

اسی عمارت کے باہر ایک فون بوتھ سے محمود نے اکرام  
کو فون کیا :

"ہیلر انکل۔ آپ دل بہاد شاہ کو جانتے ہیں؟"

"بالکل جانتا ہوں۔ وہ فوراً بولے۔"

"جی۔ کیا کہا۔ بالکل جانتے ہیں۔"

"ہاں! وہ ایک لمبے قد کا سانولے رنگ کا آدمی ہے۔"

اس سے بچ کر رہنا۔"

"کیا مطلب؟"

"بہت خطرناک آدمی ہے۔"

"اس کے بارے میں آپ کیا کچھ جانتے ہیں؟"

"اس کی سرگرمیوں پر خفیہ پولیس کی ایک عرصے سے"

نظر ہے۔ اس کا کام پولیس کے لیے الجھن بنا ہوا ہے، لیکن ابھی"

تک کسی بھی حرکت سے وہ مجرم ثابت نہیں ہو سکا۔"

"آج اس نے ہمیں نیلا گھوڑا کے نام سے فون کیا تھا۔"

"کیا؟!" اکرام چلایا۔"

"جی ہاں! ہم ابھی ابھی اس سے ملاقات کر کے آ رہے ہیں،"

"ملاقات پر اس نے اپنا نام دل بہاد شاہ بتایا۔ ہم نے تو"

خیال کیا تھا کہ یہ نام بھی فرضی ہو گا، لیکن آپ نے تو اس"

کے نام کو بھی درست کر دیا۔"

"نام ضرور فرضی ہے۔ لیکن ہم بھی اسے اسی نام سے جانتے"

ہیں۔ وہ ہر جگہ اپنا یہی نام استعمال کرتا ہے۔ اس نے کیا"

باتیں کہیں۔ مجھے تفصیل سناؤ۔"

عمود نے مختصر طور پر گفت گو دہرا دی۔

"تو کیا وہ اس وقت بھی گلاب منزل میں موجود ہے؟ اکرام"

نے چونک کر کہا۔

"کم از کم ہم اسے وہیں چھوڑ کر عمارت سے باہر آئے ہیں"

اور ابھی تک ہم عمارت کے سامنے ہی موجود ہیں۔"

"تم نے اس سے یہ پوچھا تھا کہ اس نے نیلا گھوڑا نام"

کیوں بتایا تھا۔"

"جی نہیں۔ ہم یہ پوچھنا بھول گئے تھے۔"

"تم پل کر اس سے یہ سوال ضرور پوچھو۔ اور کچھ وقت"

وہاں ٹھہرنے کی کوشش کرو۔ میں آ رہا ہوں۔"

"کیوں انکل۔ خیر تو ہے؟"

"ہم نیلے گھوڑے کی تلاش میں بھی ہیں۔"

"اوہو اچھا۔ آ جا جانے تو یہ بات بتائی نہیں تھی۔ مجھ"

نے پریشان ہو کر کہا۔

"اس کی بھی کوئی وجہ ہو گی۔ درجہ انیس نیلے گھوڑے کے"

بارے میں بہت کچھ معلوم ہے۔"

"آخر کیا؟ عمود نے بے تاب ہو کر کہا۔"

"آکر بتاؤں گا۔ جلدی کرو۔ یہ کہہ کر اس نے ریسیور رکھ"



دیا۔  
 ”آؤ جی۔ جلدی کرو۔“ محمود نے کہا اور پھر عمارت کی طرف  
 بڑھا۔ یہ عمارت کرائے کی تھی۔ تمام کمرے مختلف لوگوں نے  
 کرائے پر لے رکھے تھے۔ چالیس نمبر کمرے کے دروازے پر پہنچ  
 کر محمود نے دستک دی :

”کون صاحب؟“ دل بہادر شاہ کی آواز سنائی دی۔  
 ”وہی۔ جو کچھ دیر پہلے آپ سے ملاقات کر چکے ہیں۔“  
 ”کیا کوئی بات رہ گئی ہے؟“  
 ”ہاں! محمود نے کہا۔

اس نے دروازہ کھول دیا۔ آنکھوں سے حیرت جھانک رہی تھی :  
 ”آئیے۔“ اس نے کہا اور اندر کی طرف پلٹ گیا۔ ان کے  
 پیٹھ کے بعد بولا :

”خیر تو ہے۔“  
 ”ہم ایک دو باتیں پوچھنا چاہتے تھے۔“  
 ”فرمائیے۔ میں ضرور مدد کروں گا۔“  
 ”پہلی بات۔ آخر آپ نے ہمیں کیوں بلایا تھا؟

”آپ کی مدد کرنے کے لیے دوسرے یہ کہ ارمان بخداوی  
 میرے دوست تھے۔ ان کے بارے میں شائع ہونے والے  
 اشتہارات نے مجھے بھی عجیب سی الجھن میں ڈال دیا تھا۔ اس

لیے میں نے سوچا، آپ کو شولی بنگر کی کہانی سننا دوں۔“  
 ”لیکن آپ کو یہ کس طرح معلوم ہوا کہ ہم اس کیس میں  
 دل چسپی لے رہے ہیں؟“

”میں نے آپ کو ہوٹل کو برا میں دیکھا تھا۔ آپ نے ڈاکٹر  
 توفیق پاشا سے ملاقات کی تھی۔ میں اس وقت ساتھ والی  
 میز پر ہی موجود تھا۔ اور سچ تو یہ ہے کہ میں توفیق پاشا  
 کا تعاقب کرتے ہوئے دلوں پہنچا تھا۔ کیوں کہ اس معاملے میں  
 مجھے اسی کا ہاتھ محسوس ہوا تھا۔“

”اوہ۔ اب سمجھ میں آئی بات۔ ایک سوال اور۔ ہمیں  
 بلانے کے لیے آپ نے اپنا نام دل بہادر شاہ کی بجائے  
 نیلا گھوڑا کیوں بتایا تھا؟“  
 ”تاکہ آپ فوراً دوڑے آئیں۔“  
 ”گو یا آپ نیلا گھوڑا نہیں ہیں۔“

”بالکل نہیں۔ میرے تو فرشتوں کو بھی معلوم نہیں کہ نیلا گھوڑا  
 کون ہے۔ ویسے خیال یہی ہے کہ وہ توفیق پاشا ہے، کیوں کہ  
 موت کے وقت اسی نے بلیٹی معائنہ کیا تھا۔“

”ہوں! شکریہ! اب ہمارا اطمینان ہو گیا۔ دراصل ہم یہاں  
 سے چلے تو گئے، لیکن پھر کئی الجھنیں محسوس ہونے لگیں، اس لیے  
 مریٹل آئے۔ آپ کو ناگوار تو محسوس ہوا ہو گا۔“

”ایسی کوئی بات نہیں۔“

”ارمان بخاری صاحب کے بچے آپ کو ان کے دوست کی حیثیت سے جانتے ہیں۔ فرزند نے کچھ سوچ کر پوچھا۔“

”نہیں۔ میرا ان کے گھر آنا جانا نہیں تھا۔ ان کی اور میری ملاقات تو بس ہوٹل کو برا میں ہو جاتی تھی۔“

”اوہ۔ ہوٹل کو برا۔ تو کیا آپ بھی ہوٹل کو برا میں جاتے رہتے ہیں؟“

”ہاں! کیوں۔ کیا بات ہے؟ اس کے لہجے میں حیرت تھی۔“

”ہمیں بتایا گیا ہے کہ مسٹر ارمان بخاری کو ہوٹل کو برا کا کانا بہت پسند تھا۔ توفیق پاشا بھی اس ہوٹل کا کانا بہت پسند کرتے ہیں۔ اور اب آپ بھی۔“

”اس میں کوئی شک نہیں۔ اس ہوٹل کا کانا واقعی بہت مزے دار ہے۔“ دل بہار شاہ نے کہا۔

اسی وقت قدموں کی آواز سنائی دی، پھر دروازے پر دستک ہوئی:

”کون صاحب ہیں۔ آجائے۔ دروازہ کھلا ہے۔“

”دوسرے لمحے اکرام اندر داخل ہوا۔“

”اوہو۔ سب انسپکٹر صاحب۔ آپ اور یہاں۔“ اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

”یہ دیکھ کر حیرت ہوئی مسٹر دل بہار شاہ۔ کہ آپ اس عمارت میں رہتے ہیں۔ جب کہ میری اطلاعات یہ ہیں کہ آپ فردوس نگر میں رہتے ہیں۔“

”واہ! میں اپنے گمرانے کے ساتھ رہتا ہوں۔ یہ کمزور دوست احباب سے ملاقاتوں کے لیے لے رکھا ہے۔ کیا یہ بھی جرم ہے؟“ اسے نہیں سمجھتی۔ میں نے یہ کب کہا۔ اکرام مسکرایا۔

”آپ کی آمد کیسے ہوئی۔“ اس کے لہجے میں حیرت تھی، پھر چونک کر بولا:

”اوہو سمجھ گیا۔ ان لوگوں نے فون کر کے آپ سے میرے بارے میں پوچھا ہو گا۔“

”ہاں! یہی بات ہے۔“

”بہت چالاک لوگ ہیں آپ۔“ اس نے ناخوش گوار انداز میں کہا۔

”شکریہ جناب۔“ فاروق فوراً بولا۔

”اور شکریہ کس بات کا ادا کر رہے ہیں۔“ وہ بولا۔

”اس بات کا کہ آپ نے ہمیں چالاک تسلیم کر لیا۔“

”یہ ارمان بخاری صاحب کا کیا چکر ہے مسٹر دل بہار شاہ۔“

اکرام بولا۔

”افسوس۔ میں کچھ نہیں جانتا۔ جب سے اشتہار پڑھا ہے۔“

”الجنس میں ہوں۔ ان کے جنازے میں تو خود میں بھی شریک تھا۔“



"ہوں! ایک بات نوٹ کر لیں۔ ہم نیلا گھوڑا کی تلاش میں بہت مدت سے ہیں۔ اور آج آپ نے ان لوگوں کو فون کرتے وقت اپنا نام نیلا گھوڑا بتایا ہے۔"

"اوہ۔ ارے باپ دے۔ م۔ میں نے تو ایسے ہی۔ یہ نام بتا دیا تھا۔ تاکہ یہ لوگ فوراً آ جائیں۔"

"لیکن کیوں۔ آپ انہیں فوراً کیوں بلانا چاہتے تھے؟"  
"اپنی الجھن دور کرنے کے لیے۔ لیکن ان کے ملنے پر بھی الجھن جوں کی توں موجود ہے۔ آخر کوئی ارمان بخاری کو کس طرح قتل کرے گا۔ جب کہ ایک سال پہلے وہ مر چکے ہیں۔"  
"ہوں! یہی الجھن تو ہمیں اپنے گھرے میں لیے ہوئے ہے۔ فاروق نے منہ بنا کر کہا۔"

"مسٹر دل بہادر شاہ۔ کیا آپ نیلا گھوڑا ہیں؟ اکرام نے جھپٹتے ہوئے انداز میں کہا۔"

"نہیں۔ وہ خوف زدہ انداز میں چلایا۔"

اور پھر نہ جانے کیوں اس کا چہرہ تاریک پڑ گیا۔

## لاش آگئی

تینوں ہوٹل کوبرا کے ہال میں ایک میز کے گرد موجود تھے۔ بیرا ان کا آڈیٹر لے کر جا چکا تھا۔ ان کی نظروں چاروں طرف گھوم رہی تھیں۔

"سوال یہ ہے کہ آبا جان کہاں ہیں؟ ایسے میں محمود بولا۔  
"یا تو اسی سلسلے میں کہیں مصروف ہیں۔ یا پھر کسی اور معاملے میں الجھ گئے ہیں۔"

"انکل! اکرام بھی دل بہادر شاہ سے مل کر نہ تو کچھ معلوم کر سکے اور نہ ہی اس کے پچھلے جرائم کے خلاف کوئی ایسا ثبوت ڈھونڈ سکے۔ کہ جس کی بنا پر ہم اُسے گرفتار کر سکیں۔ فاروق برا بڑایا۔"

"اور ہم یہاں آ کر بیٹھ گئے۔ جب کہ سات بجنے میں اب زیادہ وقت نہیں رہ گیا۔ فرزانہ نے کہا۔"

"ہم سات بجے سے کافی پہلے یہاں سے روانہ ہو جائیں گے،

نکر نہ کرو۔

اسی وقت میرا کھانا لے آیا اور میز پر لگانے لگا۔  
دو منٹ بعد انہوں نے کھانا شروع کیا، پھر اچانک محمود  
کے منہ سے چیخ نکل گئی:

"اُف۔ اتنا بڑا ظلم۔ اس قدر اندھیر نگری۔"

پورے ہال پر سناٹا طاری ہو گیا۔ سب اسے گھورنے  
لگے، پھر دو بیرے تیزی سے ان کی طرف آئے:

"کیا بات ہے جناب۔ کیا ہوا؟"

"مینجر صاحب کو بلائیں۔ ہم ان سے بات کریں گے۔ محمود  
نے غرا کر کہا۔"

"آپ ہمیں بتائیں۔ بات کیا ہے؟"

"بات اس قدر معمولی نہیں۔ مینجر صاحب کو بلائیں۔"

"آپ بتا کیوں نہیں دیتے؟"

محمود نے ایک گلاس اٹھایا اور فرش پر بیٹھ دیا۔ پھر چیخ  
کر بولا:

"میں کہتا ہوں۔ مینجر صاحب کو بلائیں۔ ورنہ تمام برتن

چکنا چور ہو جائیں گے۔"

"جاؤ۔ مینجر صاحب کو لے آؤ۔ ایک بیرے نے دوسرے  
بیرے سے کہا۔"

"اچھی بات ہے۔ وہ جتنا کر بولا۔ اور تیز تیز قدم اٹھاتا  
چلا گیا۔"

پھر وہ ایک لمبے قد کے آدمی کے ساتھ آتا نظر آیا۔ اس  
کا چہرہ مارے غصے کے سرخ ہو رہا تھا۔ اب سب لوگ اسے  
دیکھ رہے تھے، نزدیک آکر اس نے دعاڑتے ہوئے کہا:

"کیا بات ہے جناب۔ کیوں آپ نے مارے ہوٹل کو  
سر پر اٹھا رکھا ہے؟"

"نہیں تو۔ ہم نے تو اپنے سروں پر ہوٹل کو نہیں

اٹھا رکھا۔ ویسے ہی۔ ہم اتنے وزنی ہوٹل کو اٹھا ہی نہیں سکتے۔  
فادوق نے بوکھلا کر کہا۔"

"اور پھر۔ یہ سب کیا ہے؟"

"ادھر دیکھیے۔ میں آپ کو بتاتا ہوں۔ اور آپ پسند کریں تو

میں ان تمام لوگوں کو بتانے کے لیے تیار ہوں۔ محمود نے بلند

آواز میں کہا۔ ساتھ ہی اس نے سالن کی ایک پلیٹ کی طرف

اشارہ کیا۔ مینجر کی آنکھیں مارے حیرت کے پھیل گئیں، اچانک

اس کا لہجہ بدل گیا:

"اوہ۔ تو یہ بات ہے۔ آپ کا بہت بہت شکریہ۔ آپ

میرے ساتھ آئیں۔ یہ کہہ کر وہ مڑا۔"

"تو آپ ہم سے۔ ہیں کیوں بات نہیں کر لیتے؟ محمود نے کہا۔"



”یہاں اطمینان سے بات نہیں ہو سکتی۔ ان کا کھانا بھی میرے کمرے میں پہنچا دو۔“ اس نے یہ الفاظ بیروں سے کہے۔  
 ”او کے سر۔“ میرے بولے۔  
 ”اُو بھئی۔“ محمود نے اُٹھ کر کہا۔  
 ”نہ۔“ لیکن ہم۔ اس کے کمرے میں جانے کا خطرہ کیوں مول لیں۔“ فرزانہ دہلی آواز میں بولی۔  
 ”اُو۔“ محمود نے سرد آواز میں کہا۔  
 ایک منٹ بعد ہی وہ میبخر کے کمرے میں داخل ہوئے۔  
 میبخر انہیں کھا جانے والی نظروں سے گھور رہا تھا، پھر اس کے منہ سے چنکارتی آواز نکلی:  
 ”تم نے وہ چوبیا کہاں سے پکڑی تھی؟“  
 ”یہ بہت گہرا راز ہے۔“ ہم آپ کو نہیں بتا سکتے۔“ فاروق مسکرا دیا۔

”میں کہتا ہوں بتاؤ۔“

”تو پھر سنیے۔“ چڑیا گھر سے۔“ فاروق بولا۔

”کیا بکواس ہے۔“ چڑیا گھر میں چوبیاں نہیں ہوتیں۔“

”یہ بات تو خیر آپ جانے دیں۔“ ہم نے تو کسی رنگ

کی چوبیاں دیکھی ہیں اسی شہر کے چڑیا گھر میں۔“  
 ”خیر تم چوبیا پکڑ کر لائے تھے۔“ اود پھر تم نے اس کو

سائن کی پلیٹ میں ڈال دیا۔“

”تو اور کیا کرتے؟“

”اور تم نے ایسا کیوں کیا؟“

”ہم نے سنا تھا۔ آپ کے ہوٹل کی شہرت بہت ہے۔“

”گویا تم میرے ہوٹل کی شہرت کو خاک میں ملانا چاہتے تھے؟“

”ہاں۔“ محمود نے فودا کہا۔

”آخر کیوں۔“ میں نے کیا بگاڑا ہے تمہارا؟“

”ارمان بخاری۔“ فرزانہ نے اچانک کہا۔

”ارمان بخاری۔“ کیا مطلب؟“ میبخر چونکا۔

”ارمان بخاری نوٹنگو کو بھی اس ہوٹل کا کھانا بہت پسند تھا۔“

”تو پھر۔“ تمہیں اس سے کیا؟“

”ایک سال پہلے وہ فوت ہو گئے تھے۔“

”اچھا تو پھر اس نے جل بھی کر کہا۔“

”لیکن کوئی نامعلوم شخص آج سات بجے انہیں قتل کر دینا

چاہتا ہے۔“

”کیا تم لوگ پاگل ہو۔“ اس نے چلا کر کہا۔

”آپ نے آج کے اخبارات دیکھے ہیں؟“

”میں اخبارات کو چاٹنے کا عادی نہیں۔ صرف سرخیاں دیکھ لیا

کرتا ہوں۔“ اس نے کہا۔

”تب پھر یہ اشتہاد پڑھ کر دیکھ لیں۔“  
 یہ کہ کر محمود نے اخبار اس کے سامنے کر دیا۔ اشتہاد پڑھ کر اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔  
 ”میری سمجھ میں نہیں آیا۔ یہ کیا چکر ہے۔ اور تم لوگ کیا چکر چلا رہے ہو۔“  
 ”یہ چکر ہم نہیں۔ نیلا گھوڑا نامی آدمی چلا رہا ہے۔ اور آپ یہ بات جانتے ہیں کہ نیلا گھوڑا کون ہے۔“  
 ”میں۔ ہرگز نہیں۔ یہ غلط ہے۔ لیکن تم لوگ ہو کون؟“  
 ”ہم۔ ہم محمود، فادوق اور فرزاد ہیں۔ کیا سمجھے؟ فادوق مکاریا۔ نہیں وہ چلا یا۔“  
 ”نہیں کیا مطلب۔ کیا آپ یہ کتنا چاہتے ہیں کہ ہم محمود، فادوق اور فرزاد نہیں ہیں۔ فادوق کے لیے میں حیرت تھی۔“  
 ”میں نہیں جانتا۔ آپ کون ہیں۔ آپ تشریف لے جاسکتے ہیں۔“  
 ”بہت بہتر! دیے آپ نیلا گھوڑا کے نام سے واقف ضرور ہیں۔ کیوں ٹھیک ہے نا؟“  
 ”پتا نہیں۔ کس سے اس کے بارے میں سنا تھا۔ وہ بولا۔“  
 ”شکریہ۔ ہم آپ کو اور زیادہ پریشان نہیں کرنا چاہتے۔“  
 محمود نے کہا اور آٹھ کھڑا ہوا۔  
 ”ایک منٹ۔ آخر یہ ہنگامہ کرنے کی کیا ضرورت تھی؟“

”ہنگامہ۔ آپ کا اشارہ چوبہا کی طرف ہے۔ وہ۔ وہ۔ وہ۔ تو پلاسٹک کی چوبہا ہے۔ فادوق نے شوخ لہجے میں کہا۔“  
 ”کیا!؟ اس کے منہ سے پھاڑ کمانے والے انداز میں نکلا اور وہ باہر نکل آئے۔“  
 ”میرا خیال ہے۔ اب ہمیں فون فیملی کا رخ کرنا چاہیے، سات بجنے والے ہیں۔ ان لوگوں کی پریشانی میں اب تک بہت زیادہ اضافہ ہو چکا ہوگا اور شاید انہوں نے پولیس کو فون بھی کر دیا ہوگا۔“ فرزاد نے جلدی جلدی کہا۔  
 فون فیملی کا دروازہ بند تھا۔ اور اندر گرا سناٹا محسوس ہو رہا تھا۔ محمود نے گھنٹی کا بٹن دبا دیا۔ آدھ منٹ بعد جالینوس نے دروازہ کھولا۔  
 ”کیسے جناب۔ اندر آپ کا ہی انتظار ہو رہا ہے۔ اس نے خوش ہو کر کہا۔“  
 ”کیوں۔ خیر تو ہے؟“  
 ”سب لوگوں کا خیال یہی تھا کہ آپ سات بجے سے پہلے یہاں ضرور آئیں گے۔“  
 ”ان کا یہ خیال تو بالکل ٹھیک ثابت ہوا۔ آپ کا خیال کیا تھا؟“  
 ”میرے خیال کو پوچھتا کون ہے۔ اس نے منہ بنا کر کہا۔“



اور پھر وہ اندر پہنچ گئے۔ ان سب کے چہروں سے ذرا بھی پریشانی نہیں جھانک رہی تھی :

"حیرت ہے۔" محمود بولا۔

"بلکہ کچھ زیادہ ہی حیرت ہے۔" فاروق بولا۔

"لیکن کس بات پر؟" فرحان بخاری نے منہ بنایا۔

"آپ لوگ تو ذرا بھی پریشان نظر نہیں آ رہے۔"

"تو آپ کیا چاہتے ہیں۔ ہم آپ کو بہت پریشان دکھائی دیتے ہیں۔"

"ہاں! آخر کو سات بچنے والے ہیں۔" فاروق نے کہا۔

"تو پھر ہم کیا کریں۔ بچنے دیں۔ ہمارا اس سے کیا تعلق۔"

ہم تو فکر مند تب ہوتے جب ہمارے والد زندہ ہوتے۔ وہ بے چارے تو پہلے ہی اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں۔"

"اس کے باوجود۔ آخر کو سات بچنے والے ہیں۔" فرزاد بولی۔

"ارے تو بچنے دیں۔ ہم کیا ان کو بچنے سے روک سکتے ہیں۔" ریحان نے چھاڑ کھانے والے انداز میں کہا۔

"اچھا۔ ٹھیک ہے۔ جیتے رہو بھئی۔ انہیں تمہاری کوئی پروا نہیں۔" فاروق نے دیوار والی گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں صرف یہ سوچ رہا ہوں۔ ٹھیک سات بچے کیا ہو گا۔"

"کچھ بھی نہیں ہو گا۔" نوین بولی۔

"آپ نے کبھی اپنے والد صاحب سے نیلا گھوڑا کا ذکر سنا تھا؟"

"نہیں۔ ہم نے ان کے منہ سے یہ نام کبھی نہیں سنا۔"

"دل بہادر شاہ کا نام یا کبھی انہوں نے؟"

"نہیں۔ یہ نام بھی نہیں۔"

"کبھی انہوں نے ہوٹل کو براٹھ"

محمود کے الفاظ درمیان میں رہ گئے۔ اسی وقت دروازے کی گھنٹی بجی تھی۔ ساتھ ہی محمود نے ہاتھ پر بندھی گھڑی پر نظر ڈالی، ٹھیک سات بج رہے تھے۔ اس کے منہ سے نکلا :

"لاش آگئی۔"



"یہ۔۔۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔" ریحان بخاری نے کہا اور باہر کی طرف دوڑ لگا دی۔

"دوسرے بھی اس کے ساتھ دوڑ پڑے۔ وہ بھی دس کے بغیر دروازے کو نہی سے باہر ایک دین گھڑی تھی۔ اور دین کا ڈرائیور نیچے اتر کر ان کے سامنے کھڑا تھا۔"

"ارمان بخاری صاحب کا گھر یہی ہے۔" اس نے کہا۔

"بالکل یہی ہے۔"

”اپنا سامان وصول کر لیں۔“

”سامان۔ کیا مطلب؟“

”میں کرائے پر سامان ادھر سے ادھر پہنچاتا ہوں۔ ایک صاحب نے اپنے گھر سے یہ سامان لدوایا تھا اور یہاں پہنچانے کے لیے کہا تھا۔“

”حیرت ہے۔ نورین بولی۔“

”کیا مطلب۔ کس بات پر حیرت ہے آپ کو؟“

”اس پر کہ کس نے کیا چیز بھیجی ہے؟“

”یہ تو میں نہیں جانتا۔ آپ سامان اتروا لیں۔“

دین کا پچھلا دروازہ کھولا گیا۔ اندر ایک بڑا ٹرنک موجود تھا۔ انہوں نے ٹرنک اٹھانا چاہا۔ وہ بہت وزنی تھا۔ آخر کتنی نے مل کر ٹرنک باہر نکالا اور دین والے کو رسید لکھ دی کہ ٹرنک وصول پایا۔

دین والا جانے کے لیے مڑا ہی تھا کہ محمود بول اٹھا:

”ایک منٹ جناب۔ آپ اس طرح نہیں جا سکتے۔“

”کیا مطلب۔ تو پھر میں کس طرح جا سکتا ہوں؟“

”پہلے ہم اس ٹرنک کو کھول کر دیکھیں گے۔ اس کے بعد آپ کو جانے کی اجازت دیں گے۔“

”لیکن کیوں۔ میں کیوں رکوں۔“

”اس لیے کہ آج شام ٹھیک سات بجے یہاں ایک لاش پہنچنے والی تھی۔ کیا خبر آپ وہ لاش ہی لائے ہوں۔ فاروق سکرایا۔“

”یہ۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ اس نے بوکھلا کر کہا۔“

”اسی لیے تو کہہ رہے ہیں کہ ذرا دیر رُک جائیں۔ ہم بس اس ٹرنک کو کھول کر دیکھ لیں۔“

”اچھی بات ہے۔ اس نے تنگ آ کر کہا۔“

ٹرنک پر بڑا سا تالا لگا ہوا تھا۔ ہتھوڑے مار مار کر اسے توڑا گیا۔ پھر جوں ہی ٹرنک کھولا گیا۔ ان کی چیخیں نکل گئیں۔



## کڑوی حقیقت

ٹرنگ میں ایک لاش موجود تھی۔ مڑی مڑی ایک لاش۔ اس کی کن پٹی پر گولی گنے کا نشان تھا۔ کپڑے خون آلود تھے۔ چہرہ بالکل ماسخ تھا۔ لاش کو دیکھتے ہی دین والے نے دوڑ لگا دی۔ لیکن ابھی دین کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا بھی نہیں تھا کہ محمود اس تک پہنچ گیا اور بازو سے پکڑ کر نیچے کھینچ لیا:

”ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ آپ کو گرفتار نہیں کیا جائے گا۔ آپ بے گناہ ہیں۔ لیکن آپ کا بیان ہو گا۔ دستخط کرائے جائیں گے۔ اور اس جگہ کا پتا آپ کو لکھوانا ہو گا۔ جس جگہ سے یہ ٹرنگ آپ نے لادا تھا۔ دو لانے والے کا طرہ بھی بتانا ہو گا۔“

”م۔ میں سچ کہتا ہوں، میں اس لاش کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔“

”ہاں ہاں۔ میں جانتا ہوں، مگر مذہبوں، آجائیں۔“

یہ کہہ کر محمود نے دین کی چابی نکال کر جیب میں ڈال

لی۔ اور ٹرنگ کی لاش بڑھا۔ فون فیملی ابھی تک آنکھیں پھاڑے لاش کو دیکھ رہی تھی:

”آخر آپ لوگ کب تک اسے گھومتے رہیں گے۔ کچھ نہیں بھی بتادیں۔ یہ کس کی لاش ہے؟“

”یہ۔ یہ ہمارے والد صاحب کی لاش ہے۔“

”کیا؟“

اگرچہ محمود، فاروق اور فرزانہ کو پہلے ہی معلوم تھا کہ اخبارات میں نیلا گھوڑا کی طرف سے اشتہار شائع ہوا ہے، لیکن اس کے باوجود بے ساختہ انداز میں ان کے منہ سے کیا نکل گیا۔

”لیکن۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟“ محمود بولا۔

”بھی تو ہم سوچ رہے ہیں۔ آخر یہ کس طرح ہو سکتا ہے۔“

”پتا نہیں کیسے ہو سکتا ہے، لیکن ہو چکا ہے۔“ فاروق نے

منہ بتایا۔

”یوں کام نہیں چلے گا۔“ محمود نے کہا اور فون کی طرف

بڑھ گیا۔

میں منٹ بعد وہاں اکرام اور باہرین پہنچ گئے۔ انہوں

نے اپنا کام شروع کر دیا۔ جب وہ فاروق ہو چکے تو لاش کو باہر نکالا گیا:

”اب انہیں غور سے دیکھیے۔ کیا یہ واقعی آپ کے والد

صاحب ہیں؟

"ہاں! اس میں تو ایک فی صد بھی شک نہیں ہے۔"

"اگر اس میں ایک فی صد بھی شک نہیں ہے تو پھر ایک سال پہلے آپ لوگوں نے کس کو دفن کیا تھا؟ محمود نے بتلا کر کہا۔"

"ارے باپ رے۔ ہم نے۔ ہم نے کس کو دفن کر دیا تھا۔ فورین نے کھوئے کھوئے اتواڑ میں کہا۔"

"پہلے تو ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ لاش کے چہرے پر بیک آپ تو نہیں کیا گیا۔"

"یہ کڑ کر محمود لاش کے چہرے کا بطور جائزہ لینے لگا۔ اچھی طرح اطمینان کر لینے کے بعد اس نے کہا:

"نہیں، میک آپ نہیں کیا گیا۔ اس کا مطلب ہے، یہ لاش ضرور اردان بخاری کی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ جس شخص کو دفن کیا گیا۔ وہ کون تھا۔ اور یہ ایک سال تک کہاں رہے۔ اور اب انہیں کس نے ہلاک کیا۔ یہ تینوں سوالات ایسے ہیں کہ جن کے جواب کے لیے ہم چکر بے چکر کھا رہے ہیں۔"

محمود نے جلدی جلدی کہا۔

"مشکل یہ ہے کہ ایسے میں آبا جان د جانے کہاں چلے گئے۔"

فرزاد نے بے حجابہ انداز میں کہا۔

"کوئی بات نہیں۔ ہم خود ہی اس کیس کا تیا پانچ کر

لیں گے۔ یہ راز مستوم کرنا اب ہماری مجبوری بن چکی ہے۔"

"یہ کڑ کر محمود دین والے کی طرف مڑا:

"ہمیں اس گھر تک لے چلو۔ جس گھر سے یہ ٹرنک لدوایا گیا تھا۔"

"ضرور جناب پہلے۔ اس گھر کے تو پڑوس والے بھی یہ گواہی دیں گے، کیوں کہ ٹرنک کو لدوانے میں انہوں نے بھی مدد دی تھی۔ اس نے فوراً کہا۔"

اکرام کو بتا کر وہ دین والے کے ساتھ روانہ ہوئے۔

اس کی دین وہیں چھوڑ دی گئی تھی۔

"یہ دین آپ کی اپنی ہے؟"

"نہیں جناب۔ میری نہیں ہے۔ مالک کی ہے۔ وہ مجھے تنخواہ دیتے ہیں۔"

"جس شخص نے یہ ٹرنک لدوایا۔ کیا اس نے کبھی پہلے بھی اس قسم کا کوئی کام لیا ہے؟"

"جی نہیں جناب۔"

"اس نے آپ سے بات چیت کیسے طے کی؟"

"مجھ سے نہیں۔ گاڑی کے مالک سے۔ دراصل اس قسم کی اس کی کئی گاڑیاں شہر میں چلتی ہیں۔ جن کو ضرورت ہوتی ہے۔ فون کر کے بلا لیتے ہیں۔ اس شخص نے بھی فون



کہا تھا۔ جب میں اس کے گھر کے دروازے پر پہنچا تو ٹرک  
صحن میں رکھے تیار کھڑا تھا۔ ان حالات میں یہ کیا تصور؟  
”یہ تو ہم پہلے ہی کہ چکے ہیں کہ آپ کا کوئی قصور نہیں۔  
لیکن پھر آپ بھاگ کیوں نکلے تھے؟  
”ڈڈ۔ ڈر گیا تھا۔ اس نے کہا۔

”بھئی ایک لاش سے کیا ڈرنا۔ مردہ آدمی نہ تو کسی کو کوئی نقصان  
پہنچا سکتا ہے۔ نہ نفع۔ نہ پادے مردے۔ تو ناک پرست مکتی  
نہیں ہٹا سکتے۔ ہلک نہیں جھک سکتے۔ دوسروں کو کیا دے سکتے  
ہیں۔ یا ان سے کیا چھین سکتے ہیں؟  
”یہ۔ آپ نے کسی باتیں شروع کر دیں۔ مجھے رات کو بڑے  
بڑے خواب آئیں گے۔“

”خیر جانے دیں۔ اس آدمی کا علیہ کیا تھا؟  
”لبے قد کا آدمی تھا۔“

آخر وہ مکان کے دروازے تک پہنچ گئے، لیکن یہ دیکھ  
کر ان کے منہ بن گئے کہ دروازے پر تان لگا ہوا تھا،  
”اب کیا کیا جائے؟ فادق نے منہ بتایا۔  
”میں کچھ کرتا ہوں۔“

محمود نے یہ کہ کر ساتھ والے دروازے پر دستک دی، جلد  
ہی ایک ادیبڑ عمر آدمی نے دروازہ کھولا۔

”جی۔ کیا بات ہے؟  
”یہ آپ کے پڑوسی کہاں گئے؟  
”مکان چھوڑ کر جا چکے ہیں۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے۔ اس  
نے پریشان لہجے میں کہا۔  
”جی۔ کیا مطلب؟ وہ چوکنے۔“

”آج انھوں نے مکان خالی کر دیا۔ اپنا سامان ایک دین۔  
ارے۔ یہ تو وہی ڈرائیور ہے۔ جو سامان لے کر گیا تھا۔  
”خوب پہچانا۔ یہ واقعی قوی ہیں۔“

”ٹک۔ کوئی گڑبڑ تو نہیں ہے۔ پڑوسی نے گہرا کر کہا۔  
”ہاں گڑبڑ بھی ہے۔ لیکن آپ کے لیے پریشانی کی کوئی  
بات نہیں۔ ویسے آپ کے چہرے پر پریشانی کے بدل کیوں  
تیر رہے ہیں؟“

”یہ مکان دراصل میرا ہے۔ انھیں کرائے پر دے رکھا  
تھا۔“

”بہت خوب۔ کتنے عرصے سے؟ محمود جلدی سے بولا۔  
”تقریباً ایک سال پہلے انھوں نے کرائے پر لیا تھا۔  
”اور مشر ڈرائیور۔ وہ ٹرک آپ کو اسی مکان سے لے دیا گیا  
تھا؟ محمود اس کی طرف مڑا۔  
”ہاں بالکل۔“ اس نے کھوٹے کھوٹے لہجے میں کہا۔

"خیر تو ہے۔ کیا کچھ جیب میں رکھنے کا ارادہ ہے۔"  
 "تم نے دراصل انجکشن کو پڑھ کر نہیں دیکھا۔ یہ گہری نیند  
 سنانے کے کام آتا ہے۔" محمود مسکرایا۔  
 "لگ۔ کیا مطلب؟" فاروق کے منہ سے نکلا۔  
 "میں سمجھ گئی۔" فرزانہ جلدی سے بولی۔

"تنت۔ تو کیا۔" مسٹر ارمان بخاری کو اس مکان میں قید رکھا  
 گیا ہے۔ گہری نیند کے ٹیکے لگا لگا کر۔  
 "لاش کے بازو دیکھ کر اس بات کا اندازہ ہو جائے گا۔"  
 محمود بڑبڑایا۔

"اٹ مالک۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ ارمان بخاری کو  
 ایک سال تک یہاں رکھا گیا ہے۔ تب پھر۔ وہ کون تھا۔ جس  
 کو ان کے نام پر دفن کیا گیا۔" فاروق نے بو کھلاتے ہوئے  
 لہجے میں کہا۔

"معاملہ ابھی تک بدستور اُلجھ رہا ہے۔" فرزانہ بڑبڑائی۔  
 انھوں نے مکان کے ایک ایک حصے کا بغور جائزہ لیا۔  
 لیکن سگریٹ کے ٹکڑوں اور انجکشن کی شیشی کے سوا کچھ نہ ملا۔  
 آخر وہ واپس پلٹے۔ فون فیملی کے ہاں پہنچے۔ لاش کے  
 بازوؤں کا معائنہ کیا گیا۔ تو بازو انجکشن کی سونئیوں سے چھلنی نظر  
 آئے۔

"کیا ہم اس مکان کو اندر سے دیکھ سکتے ہیں؟"  
 "ضرور! کیوں نہیں، لیکن بات بھی تو بتائیے۔" اس نے کہا۔  
 "جو ٹرک یہ یہاں سے لے کر گئے ہیں۔ اس میں سے ایک  
 عدد لاش نکلی ہے۔ انسانی لاش۔"  
 "ارے باپ رے۔" اس کا رنگ اڑ گیا۔

"میں کہ چکا ہوں۔ آپ کے لیے پریشانی کی کوئی بات نہیں،  
 ویسے کیا آپ کا کرائے دار تنہا رہتا تھا؟"  
 "ہاں بالکل۔ میں نے کسی اور کو آتے جاتے نہیں دیکھا۔"  
 "شکریہ۔ ہمارا تعلق محکمہ سراغ رسانی سے ہے۔ مہربانی فرما  
 کر تالا کھول دیں، ہم بس اندر کا جائزہ لیں گے اور یہاں  
 سے رخصت ہو جائیں گے۔"  
 "ضرور۔ ضرور۔" اس نے کہا اور تالا کھول دیا۔

وہ اندر داخل ہو گئے۔ مکان میں کوئی قابل ذکر چیز  
 نہیں تھی؛ تاہم انھوں نے خالی مکان کا بھی پوری احتیاط سے  
 جائزہ لیا۔ ایک ایٹش ٹرے میں سگریٹ کے بجھے ہوئے ٹکڑے  
 نظر آئے۔ فاروق نے ایک ٹکڑے کو اٹھایا اور اس پر رکھا  
 کپنی کا نام پڑھا۔ پھر ٹکڑا کاغذ میں پریٹ کر جیب میں  
 رکھ لیا۔ ایک انجکشن کی خالی شیشی بھی ایک الماری کے نیچے  
 سے مل گئی۔ محمود نے اسے بھی جیب میں رکھ لیا۔



"ارے۔ یہ کیا۔" فون فیل کے منہ سے حیرت زدہ اعداد میں نکلا۔

"انجکشن کی سوئیوں کے نشانات۔ ایک سال تک انہیں ایک مکان میں قید دکھا گیا۔ نیند کے انجکشن لگا لگا کر دقت گزارا گیا۔ لیکن کیوں۔ کسی کو ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ ریحان بخاری نے چلا کر کہا۔

"یہ آپ بتائیں، کیوں کہ آپ تو ایک سال پہلے انہیں دفن بھی کر چکے ہیں۔ محمود نے جتنا کر کہا۔

"اُف مالک۔ یہ سب کیا ہو رہا ہے؟ فورین چلائی۔

"چیننے اور چلانے سے کچھ نہیں ہوگا۔ آخر کسی دوسرے آدمی کو مسٹر ارمان بخاری کی جگہ کس طرح دفن کر دیا گیا۔ آپ لوگوں کی نظریں تو کمزور ہیں نہیں۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ اس شخص کے چہرے پر ارمان بخاری صاحب کا میک اپ کر دیا گیا تھا۔ تو یہ بتایا جائے۔ یہ کس طرح ہو گیا۔ آخر ارمان بخاری گھر میں ہی تھے۔ ان کو گھر سے نکال کر ان کی جگہ ان کے میک اپ میں کوئی لاش کس طرح گھر کے اندر پہنچا دی گئی۔ پھر ڈاکٹر نے انہیں کس طرح ارمان بخاری مان لیا۔ یہ سب باتیں کچھ کم حیرت انگیز نہیں ہیں۔"

"ہمارے لیے بھی یہ اتنی ہی حیرت انگیز ہیں۔ جتنی آپ کے

لیے۔ ہمارے فرشتوں کو بھی نہیں معلوم۔ یہ سب آخر کیسے ہو گیا۔"

"عدالت آپ کی اس بات پر ہرگز یقین نہیں کرے گی۔ آپ کو کوئی ٹھوس ثبوت دینا ہوگا۔"

"ہمیں ٹھوس ثبوت پیش کرنے کی ضرورت نہیں۔ ہم نے کوئی مجرم نہیں کیا۔ آپ کے سامنے لاش کا ٹرنک ایک دین والا یہاں لایا ہے۔"

"ہاں! یہ بات میں جانتا ہوں، لیکن ہم ایک بات نہیں مان سکتے۔" محمود نے مسکرا کر کہا۔

"اور وہ کیا؟" فرمان بخاری نے فوراً کہا۔

"یہ کہ آپ کچھ چھپا نہیں رہے۔ یہ بات ہم نہیں مان سکتے، میں دھوے سے کہہ سکتا ہوں کہ آپ اب تک کوئی اہم بات چھپاتے رہے ہیں۔"

"نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں۔" فورین نے کانپ کر کہا۔

"یہ آپ کا جھوٹ ہے۔ بالکل صاف جھوٹ۔" فرزاد مسکرائی۔

"آپ کے ذہنوں میں آخر کیا ہے۔ کچھ ہمیں بھی بتادیں۔"

ریحان بخاری بولا۔

"مسٹر ارمان بخاری نے شولی نگر کی کہانی آپ لوگوں کو سنائی

تھی۔ اور غالباً ایک دو اور آدمیوں کو بھی سنائی تھی۔ ان میں سے

کسی ایک کے ذہن میں ایک شیطانی منصوبہ آیا۔ بہت پر ہول منصوبہ۔  
 ”پپ۔ پپر ہول منصوبہ۔ وہ بڑا بڑا ہے۔“

”ہاں! آپ مائیں یا نہ مائیں۔ لیکن اس منصوبے سے آپ  
 لوگ بھی اچھی طرح واقف ہیں۔ فرزاد نے جلدی سے کہا۔“

”نن۔ نہیں۔ یہ غلط ہے۔ وہ ایک ساتھ چلائے۔“

”خیر۔ ہم اس بات کو ثابت کر دیں گے۔ ہاں تو کسی کے  
 شیطانی ذہن میں ایک شیطانی منصوبہ آیا اور اس نے اس پر  
 عمل کرنے کا ارادہ کر لیا۔ پھر اس نے پوری پوری منصوبہ بندی  
 کی۔ اور کامیاب ہو گیا۔ اس معاملے کا کسی کو پتا نہ چلتا۔  
 لیکن پھر۔ آپ لوگوں کی محبت دم توڑ گئی۔ دولت کا فٹ آپ  
 لوگوں پر اس طرح چھا گیا کہ باپ کی محبت اس نقشے کے نیچے دبی  
 چلی گئی۔ محمود روانی کے عالم میں کہتا چلا گیا۔“

”یہ۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ ریمان نے کانپ کر کہا۔  
 ”یہ سراسر الزام ہے۔“ نورین بولی۔

”لیکن آپ لوگوں کے چہرے پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ  
 یہ الزام نہیں ہے۔ ایک حقیقت ہے۔ ایک کڑی حقیقت۔“

”پپ۔ پتا نہیں۔ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟“

”ہمیں افسوس تو یہ ہے کہ ابھی تک ہم مجرم تک نہیں پہنچ  
 سکے۔ ورنہ سب کے سامنے ایک ایک بات کھول کر بتا دیتے،

”خیر۔ کوئی بات نہیں۔ دیکھا جائے گا۔“  
 ”کیا دیکھا جائے گا؟ سلمان نے جل کر کہا۔  
 ”وہی۔ جو ہونے والا ہے۔“ فاروق بولا۔

”خیر۔ ہم وضاحت کر دیتے ہیں۔ یہ مائیں یا نہ مائیں۔  
 نیچے صاحبان۔ ارمان بخاری کی کہانی سن کر اس شخص نے کیا کیا،  
 اپنے کسی ملازم کے چہرے پر شولی بنگو کا میک آپ کیا۔ اور  
 ہول کے ہال میں اسے کھانا کھانے کی ہدایت کی۔ ارمان بخاری  
 نے اسے دیکھا تو خوف زدہ ہو گئے۔ پھر رات کو شولی بنگو بن  
 کر ارمان بخاری کو فون کیا کہ وہ انھیں موت کے گھاٹ اتارنے  
 آ رہا ہے۔ ارمان بخاری گھبرا گئے۔ انھوں نے اپنے اسی دوست  
 کو فون کیا کہ یہ حالات ہیں۔ انھوں نے اس دوست کو فون  
 اس لیے کیا تھا کہ ایک تو وہ دوست طاقت ور تھا اور دوسرے  
 وہ اس قسم کے معاملات میں ان کی مدد بھی کر سکتا تھا۔ اب  
 انھیں کیا معلوم تھا کہ وہ اس وقت اسی کے بٹے ہوئے ہال میں  
 پھنسنے جا رہے ہیں۔ فون پر اس دوست نے کہا کہ وہ انھیں  
 ایک محفوظ مقام پر پہنچا دیتا ہے۔ اور ان کے بستر پر اپنے  
 ایک وفادار ملازم کو سلا دیتا ہے۔ جب شولی بنگو آئے گا تو  
 ملازم اسے دیکھ لے گا۔ یہ تجویز ارمان بخاری صاحب کو بہت  
 بھائی۔ چنانچہ وہ کسی کو بتاتے بغیر گھر سے نکل آئے۔ ان



کے دوست نے انہیں ایک مکان میں پہنچا دیا۔ اب اس دوست نے اپنے ایک ملازم کو ساتھ لیا۔ اور یہاں آیا۔ دروازہ اس کی ہدایت پر ارمان بخاری کھلا ہی چھوڑ گئے تھے، چنانچہ وہ اسے لے کر ان کے کمرے میں آگیا۔ کوئی چیز سلگا کر اس نے اس ملازم کو بے ہوش کیا۔ اور پھر اسے قتل کر دیا۔ خنجر سے یا کسی اور ہتھیار سے۔ پھر باہر نکل کر گھر کے افراد کو جگایا۔ خیال رہے کہ ملازم کے چہرے پر شعلہ لگ کر ایک آپ کیا ہوا تھا۔ اس نے گھر کے افراد کو بتایا کہ ابھی ارمان صاحب نے اُسے فون کیا تھا کہ انہوں نے شولی بنگر کو اپنی کوشی کے ادگرد منڈلاتے دیکھا ہے۔ لہذا ان کا مدد کو آجائیں۔ یہ سن کر آپ لوگ اس کو گئے کہ ارمان صاحب کے کمرے میں آئے تو یہاں نقلی شولی بنگر غرور ہوتا تھا۔ اس کا خون فرش پر موجود تھا۔

’اوہ۔ اس کا مطلب ہے۔ ارمان صاحب شولی بنگر کو قتل کر کے بھاگ گئے۔ اس خوف سے کہ پولیس انہیں گرفتار کر لے گی۔‘ دوست نے یہ الفاظ ادا کیے۔ آپ لوگ پہلے ہی بات محسوس کر چکے تھے۔ لہذا انکار کیسے کرتے۔

’اب کیا کیا جائے؟‘ دوست نے آپ لوگوں سے پوچھا۔  
’آپ ہی بتائیں۔ ہم کیا کر سکتے ہیں؟‘

’اوہ۔ میرے ذہن میں ایک ترکیب آگئی ہے۔ ہم اس پر ارمان بخاری صاحب کا میک آپ کر دیتے ہیں۔ اور ان کی موت کا اعلان کر دیتے ہیں۔‘

’اس سے کیا ہو گا؟‘ آپ میں سے کسی نے پوچھا۔  
’اس سے یہ ہو گا کہ پولیس آپ کو پریشان نہیں کرے گی، ارمان بخاری صاحب کو بھی تلاش نہیں کریں گے اور یہ معاملہ دب جائے گا۔ اس طرح کچھ عرصہ بعد ارمان بخاری صاحب یہاں آجائیں گے اور ہم انہیں کسی اور میک آپ میں یہاں رہنے کا مشورہ دے دیں گے۔‘

دوست کی اس تجویز کو آپ لوگوں نے پسند کیا۔ لیکن اب مسئلہ تھا۔ ڈاکٹری سرٹیفیکیٹ کا۔ اس مقصد کے لیے بھی ارمان صاحب کے دوست کا نام سامنے آیا۔ یعنی ڈاکٹر توفیق پاشا۔ انہیں شاید رشوت بھی دی گئی ہو گی۔ بہر حال ساری بات سن کر انہوں نے سرٹیفیکیٹ رکھ دیا۔ اور آپ لوگوں نے ارمان بخاری صاحب کے نام پر اس غریب مظلوم کو دفن کر دیا گیا۔ اب آپ لوگ الجھن میں تھے۔ کہ ارمان صاحب کو کیسے تلاش کیا جائے اور کہاں۔ کچھ دن اسی ادھیڑ بن میں گزر گئے۔ پھر آپ کو ایک خفیہ فون ملا۔ کسی نے آپ کو کہا کہ ارمان بخاری اس کے قبضے میں

ہیں۔ اور وہ یہ بات ثابت کر سکتا ہے کہ انہوں نے ایک شخص کو قتل کر دیا ہے۔ اور اس شخص کو ارمان بخاری صاحب کے طور پر قبرستان میں دفن کیا گیا ہے۔ اب تو آپ لوگ بہت گھبرائے۔ دوڑ کر اس دوست کے پاس گئے۔ وہ بھی یہ بات سن کر پریشان ہو گیا۔ لیکن اس کی پریشانی مصنوعی تھی۔ سارا کیا دھرا تو اس کا تھا۔ اور وہی اب فون کرنے والا تھا۔ لہذا اس نے مشورہ دیا کہ فون کرنے والے کی ہدایات پر عمل کیا جائے۔

چناں پر دوبارہ جب اس کا فون آیا تو آپ لوگ اس کے مطالبات ماننے پر آمادہ ہو گئے۔ اور اس نے بڑی بڑی رقوم کا مطالبہ شروع کر دیا۔ یہ سلسلہ ایک سال تک جاری رہا۔ پھر آپ لوگ تنگ آ گئے۔ باپ کی محبت آپ کے اندر سے نکل گئی۔ آپ سوچنے لگے۔ اب ہم اس باپ کے لیے رقوم کیوں ادا کریں۔ جس کی واپسی ہمارے لیے صرف اور صرف پابندیاں لاتے گی۔ اب ہم بالکل آزاد ہیں۔ اگر وہ آگئے تو ہماری آزادی اور پیش قدمی ہو جائیں گے۔ لہذا آپ لوگوں نے کوئی اور رقم دینے سے انکار کر دیا۔ اس نے پہلے تو فون پر دھمکیاں دیں، لیکن آپ لوگ کس سے کس نہ ہوئے۔ آخر اس نے انجارات میں وہ

اشہاد شائع کر دیا۔ لیکن آپ لوگوں نے پھر بھی اثر نہ لیا۔ اور آخر کار اس نے بھی غصے میں آ کر ارمان بخاری صاحب کو قتل کر دیا اور ان کی لاش ایک ٹرنک میں ڈال کر وین کے ذریعے یہاں بھیج دی۔ یہ ہے مکمل کہانی۔ اب آپ لوگ صرف اس دوست کا نام بتا دیں۔ باقی کام ہم خود کر لیں گے۔

وہ چاروں سکتے کے عالم میں بیٹھے رہ گئے۔ ان کی نظریں زمین میں غور گئی تھیں۔



”آپ لوگ تو بالکل خاموش ہو گئے۔ کچھ تو بولنا ہو سکا۔“

”ہاں! کچھ تو بولنا ہو سکا۔ آپ لوگوں نے واقعات جس ترتیب سے سنائے۔ اس کو سن کر ہم جس قدر حیران ہوں۔ کم ہے۔ واقعات بالکل درست ہیں۔ اسی طرح ہوا ہے۔ لیکن بس ایک بات نہیں ہوئی۔“ ریحان بخاری نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

”کیا مطلب۔ کیا نہیں ہوئی؟“



”ہمارے والد صاحب کے وہ دوست مجسرم نہیں ہو سکتے،  
شیطان منسوب ضرور کسی اور کے ذہن میں آیا تھا۔ ان کے دوست  
سے تو ہم نے مدد لی تھی۔“

”آپ اس بات کو چھوڑیں۔ ہمیں دوست کا نام بتائیں۔  
ثبوت پیش کیے۔ بغیر ہم مجرم کو نہیں پکڑتے۔ ہمارے طریقے پولیس  
کے طریقوں سے بالکل مختلف ہیں۔“

”ٹھیک ہے۔ ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔ ہم ان کا نام  
بتا دیتے ہیں۔ لیکن آپ کا یہ خیال غلط ہی نکلے گا کہ یہ  
ساری منصوبہ بندی ان کی ہے۔ انہوں نے تو ہماری مدد کی  
ہے۔“

”ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے۔ آپ فکر نہ کریں۔ ہم کچکے ہیں،  
بے گناہ کو ہرگز نہیں پکڑیں گے۔“ محمود نے کہا۔  
”شکریہ۔ ان کا نام عباس جاہ ہے۔“

”عباس جاہ۔ کیا مطلب؟ تینوں ایک ساتھ بولے۔ ان  
کے چہروں پر حیرت دوڑ گئی۔

”تو آپ کو اس نام کی امید نہیں تھی؟“ ریحان بخاری نے  
پوچھا۔

”نہیں۔ ہمارا تو خیال تھا۔ آپ لوگ ڈاکٹر توفیق پاشا کا  
نام بتائیں گے۔“

”نہیں! انہوں نے دوست کے طور پر اگر کسی کا ذکر کیا تو  
عباس جاہ کا۔“

”لیکن افسوس۔ ہم نے اس کیس کے دوران اس نام کے  
کسی آدمی سے ملاقات نہیں کی۔“

”اس میں ہمارا کیا قصور جناب؟“ فرحان نے مزہ بنایا۔

”اے یہ بھی ٹھیک ہے۔ خیر۔ ان کا پتا بتا دیں۔“

پتائیں کر وہ حیرت زدہ رہ گئے۔

## بس دیکھتے جاؤ

"السلام علیکم اکل۔ کیسے کیا رہا؟"

انجکشن والی شیشی پر آنکلیوں کے نشانات موجود ہیں۔

دراصل وہاں اور بھی بہت سی شیشیاں رہی ہوں گی۔ مجرم نے ان سب کو اٹھا کر کسی گندے نالے میں پھینک دیا ہوگا۔ لیکن یہ شیشی کسی طرح رہ گئی۔ ادھر ادھر لٹا رکھی ہوگی۔ کیوں۔ یہی بات ہے نا۔

"جی ہاں! یہ ہمیں ایک اندازے کے نیچے سے ملتی تھی۔"

"بس اس سے چوک ہو گئی۔ رہ گیا وہ سگریٹ کا ٹکڑا۔"

اس قسم کے سگریٹ اس شہر میں پینے والے بہت کم لوگ ہوں گے۔ دراصل یہ بہت پُرانا سگریٹ ہے۔ پہلے اس کو بہت سے لوگ پسند کرتے تھے، لیکن اب نہیں! تاہم کچھ پُرانے لوگ اب بھی اس کو پسند کرتے ہیں۔ اور کبھی بھی شاید ایسے لوگوں کے لیے یہی یہ اب تک تیار کر رہی ہے۔ ورنہ

اس نے اب دوسرا سگریٹ بھی شروع کر لیا ہے۔

"ہوں! یہ بھی اچھی بات معلوم ہو گئی۔ اس کا مطلب ہے، اب ہم سٹر عباس جاہ کو چیک کر سکتے ہیں۔ پہلے اس کی آنکلیوں کے نشانات کا معائنہ کریں گے، پھر اس کے پاس موجود سگریٹ کا پیکیٹ دیکھیں گے اور پھر گرفتاری کے لیے ہتھکڑیاں اس کے سامنے کر دیں گے۔"

"ہوں ٹھیک ہے۔ بشرطیکہ وہ وہاں موجود ہو۔ اکوام سکرایا۔"

"اور وہ وہاں موجود کیوں نہ ہوگا۔ وہ شاید سوچ بھی نہیں

سکتا کہ فون فیملی ہمیں اس کا نام پتا بتا دے گی۔ فادوق بولا۔

"اس صورت میں تو سوچ سکتا ہے۔ جب کہ اس نے ارمان بخاری صاحب کو ہلاک کر دیا ہے۔"

"خیر۔ چلیے۔"

وہ وہاں سے جیپ میں روانہ ہوئے۔ اور اس عمارت

کے سامنے پہنچ کر اترے۔ جس کا پتا فون فیملی نے بتایا تھا۔

کمرہ نمبر ۲۰ کے دروازے پر ایک بڑا سا تالا ان کا منہ پڑا

وہاں تھا۔ انہوں نے ساتھ والے دروازے پر دستک دی۔

ایک نوجوان آدمی نے سر باہر نکالا۔

"جی۔ فرمائیے۔"

"یہ۔ یہ آپ کے پڑوسی کہاں گئے؟"



"بتا کر نہیں گئے: اُس نے کہا۔

اب وہ عمارت کے مالک کے پاس آئے۔

"ہمیں مسٹر دل بہادر شاہ سے ملنا ہے۔"

"وہ تو کہیں گئے ہوتے ہیں۔ بتا نہیں کب لوٹیں؟"

"کیا ہم ان کا کمرہ اندر سے دیکھ سکتے ہیں؟"

"بھلا میں اس کی کس طرح اجازت دے سکتا ہوں جناب؟"

اس نے پریشان ہو کر کہا۔

"ہم وارنٹ لے آتے ہیں؟"

"آخر بات کیا ہے؟"

"بات اتنی سیدھی نہیں کہ آپ کو فوراً بتا دی جائے۔ بہت

گھماؤ پھراؤ والی ہے۔ اور ہم خود نہ جانے کب سے گھوم پھر

رہے ہیں۔ آپ کو ایک دو جملوں میں کس طرح بتا دیں؟"

"پہلے پھر میں کمرہ اپنی موجودگی میں دکھا دیتا ہوں۔"

"بالکل ٹھیک۔ ہم کوئی چیز پھرائیں گے نہیں۔ فاروق نے

فوراً کہا۔

"میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ وہ بولا۔

اور پھر وہ انہیں کمرہ نمبر چالیس تک لے آیا۔ تالا کھولتے ہوئے

اس نے کہا:

"اندر جا کر دیکھ لیں۔ ویسے میرا خیال ہے۔ وہ کمرہ چھوڑ کر

جا چکا ہے۔"

"کیا مطلب۔ پہلے تو آپ نے یہ بات نہیں بتائی؟ محرم

اُسے گھورا۔

"اس لیے کہ ابھی اس نے مجھے یہ نہیں کہا کہ میں

کہ جا رہا ہوں: تاہم جس وقت وہ گیا تھا، اس

میں ایک چھوٹا سا بریف کیس تھا۔ جس روز اس سے

کرائے پر لیا تھا، اس روز وہ وہی بریف کیس اٹھائے

ہوئے آیا تھا۔ اس دوران وہ جب بھی کہیں گیا۔ بریف کیس

کے بغیر گیا۔"

"ہوں۔ تب تو شاید آپ کا خیال ہی ٹھیک ہو۔ محمود

نے کہا۔

اندر آ کر انہوں نے دیکھا۔ کمرے کی صفائی کی جابگی

تھی۔ البتہ ایش ٹرے میں سگریٹ کے ٹکڑے یہاں بھی موجود

تھے۔ اور یہ وہی ٹکڑے تھے۔ جو انہیں ارمان بخاری والے

مکان میں ملے تھے۔

"اپنے خیالات ثبوت ہر جگہ چھوڑ رہا ہے۔" فاروق بڑبڑایا۔

"یا تو بہت فراخ دل ہے۔ یا پھر اسے گھنٹ ہے۔ کہ ہم

اس تک نہیں پہنچ سکتے۔"

"جب کہ ہمارا خیال ہے۔ ہم اس تک پہنچ جائیں گے۔"

کم از کم ہم ایک بات تو معلوم کر ہی چکے ہیں۔ یہ کہ دل بہادر شاہ  
ہی عباس جاہ ہے۔ اور یہی وہ شخص ہے۔ جس نے ارمان بخاری  
کو دوست بن کر ڈسا ہے۔

”سوال یہ ہے کہ اب ہم اس کو کہاں تلاش کریں۔ اکرام  
نے منہ بنایا۔

”اب ہمارے لیے اس کو تلاش کرنا زیادہ مشکل کام نہیں  
رہ گیا، کیوں کہ ہم اس کیس میں شریک ہر شخص کی انگلیوں  
کے نشانات چیک کر سکتے ہیں۔“

”بالکل ٹھیک۔ اب ہم ڈاکٹر توفیق پاشا کے ہاں چلیں گے۔“  
حمود نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

ڈاکٹر توفیق نے انہیں فکر مند نظروں سے دیکھا، پھر اکرام  
پر اس کی نظریں جم کر رہ گئیں:

”یہ سب انیسکڑ اکرام ہیں۔ پہلی مرتبہ جب ہم آپ سے ملے  
تھے تو یہ اس وقت ہمارے ساتھ نہیں تھے۔“

”میں کیا خدمت کر سکتا ہوں؟ وہ بولے۔  
خود کو گرفتاری کے لیے پیش کرنے کے بارے میں کیا

خیال ہے؟ فاروق مسکرایا۔

”کیا مطلب؟ وہ زور سے چونکے۔

”ویسے آپ کو زیادہ سزا نہیں ہوگی۔“

”میں سمجھا نہیں۔“

ارمان بخاری کی جگہ کوئی اور قتل ہوا تھا، لیکن آپ نے  
سرنیکیٹ لکھا کہ ارمان بخاری نے دل کے دورے سے وفات  
پائی ہے، جب کہ ارمان بخاری کی موت آج واقع ہوئی ہے۔  
انہیں آج قتل کیا گیا ہے۔ اس طرح ایک غریب آدمی کے  
قتل کی تفتیش نہ ہو سکی اور اس کا مجرم گرفتار نہیں ہو سکا۔  
اس کے ذمے دار صرف اور صرف آپ ہیں۔ اگر آپ ان لوگوں  
کی بات ماننے سے انکار کر دیتے اور پولیس کو ساری بات بتا دیتے  
تو شاید نو بت ارمان بخاری کے قتل تک نہ پہنچی اور مجرم بھی گرفتار  
ہو جاتا۔“

”پتا نہیں۔ آپ کیا باتیں کر رہے ہیں؟“ ڈاکٹر نے جمل بھن  
کر کہا۔

”خیر پھر ساری بات سن لیں۔“

حمود نے کہا اور تفصیل دہرا دی۔ ڈاکٹر توفیق ساکت رہ گئے۔  
آخر انہوں نے ہبڑائی ہوئی آواز میں کہا:

”کیسی سمجھوتہ نہیں ہو سکتا؟“

”کیسی سمجھوتہ؟“

”آپ مجھے گرفتار نہ کریں۔“ اس نے دہل آواز میں کہا۔

”یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ یہ تو ہمارا فرض ہے کہ آپ کو گرفتار



کر کے پہلے حالات اور پھر جسیل بھجوائیں۔ جلاہم اپنے فرض سے غداری کس طرح کر سکتے ہیں۔

”دنیا میں سب چلتا ہے۔ میں آپ کو پچاس ہزار روپے دے سکتا ہوں۔“

”بس۔ ہمارے ضمیر کی قیمت صرف پچاس ہزار روپے۔“  
فادوق نے منہ بنایا۔

”خیر۔ ایک لاکھ سہی۔“ ڈاکٹر نے کہا۔

”لیکن ہم تو اپنے ضمیر کی بہت بڑی قیمت خیال کرتے رہے ہیں۔“ فرزانہ مسکرائی۔

”اچھا دو لاکھ۔“

”کچھ اور بڑھے ڈاکٹر صاحب۔ ذرا ہم بھی تو سنیں۔ آپ کہاں تک جاتے ہیں۔“

”پانچ لاکھ۔ بس یہ آخری حد ہے۔“

”سوری ڈاکٹر صاحب۔ آپ پانچ کروڑ۔ بلکہ پانچ ارب دے کر بھی ہمیں نہیں خرید سکتے۔ ہم تک جانے والی چیزیں نہیں ہیں۔ آپ کو جیل جانا ہو گا۔ آپ کی وجہ سے ایک بے گناہ انسان کے قتل کی تفتیش نہیں ہو سکی۔“

ڈاکٹر انھیں گھور کر رہ گیا۔ اکرام نے جیب سے پستول نکال لیا تھا، کیوں کہ ڈاکٹر بھاگنے کی کوشش بھی تو کر سکتا تھا، پھر انھوں

نے اسے حالات پہنچا دیا۔ وہیں اس کی انگلیوں کے نشانات لیے گئے، لیکن یہ نشانات شیشی پر پائے جانے والے نشانات کے مطابق نہیں تھے:

”اب کہاں کا ارادہ ہے؟“

”ہوٹل کے میجر کو چیک کریں گے۔ شولی بنگر کی کہانی اس کو بھی معلوم ہے۔“

”ٹھیک ہے۔ اکرام نے کہا۔

وہ ہوٹل کو برا پہنچے۔ میجر نے ان کا استقبال گھور کر کیا:

”آپ لوگ پھر آ گئے؟ وہ پھکارا۔

”جی ہاں۔ بس ذرا۔ آپ کی انگلیوں کے نشانات درکار ہیں۔“

”کیا مطلب؟“

”مطلب یہ کہ۔ اپنی انگلیوں کے نشانات ہمیں دے دیں۔ ہم ایک مجرم کی تفتیش کر رہے ہیں۔ اس سلسلے میں

ہمارے اتنے کچھ نشانات لگے ہیں۔ ہم چیک کر رہے ہیں کہ وہ نشانات کس کی انگلیوں کے ہیں۔“

”لیکن میرا اس معاملے سے کیا تعلق۔ اس نے جھکا کر کہا۔

”آپ کے ہوٹل میں ارمان بخاری صاحب کھانا کھانے آتے

رہے ہیں۔

"ہاں! یہ ٹھیک ہے۔"

"اور وہ آپ کے دوست بھی تھے؟"

"پتا نہیں یہ بات کہی جاسکتی ہے یا نہیں۔ بہر حال ہم

دوستانہ انداز میں ملتے جلتے ضرور تھے۔"

"اور انھوں نے آپ کو شولی بنگر کی کہانی بھی سنائی تھی؟"

"یہ بھی ٹھیک ہے۔ آخر آپ مجھ سے کھلوانا کیا چاہتے ہیں؟"

"اس پوری سازش میں آپ شریک ہیں۔" محمود نے کہا۔

"کس سازش میں؟ اس نے حیرت زدہ انداز میں کہا۔

"ارمان بخاری نوٹنگوالی سازش میں۔ اور آج انھیں قتل

بھی آپ نے ہی کیا ہے۔"

"ارے باپ رے۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔"

"اور ہمارے پاس اس کا ثبوت بھی ہے۔" فاروق مسکرایا۔

"اور وہ کیا ہے؟" میجر نے فوراً پوچھا۔

"انگلیوں کے نشانات ایک مقام سے ہمیں مل گئے ہیں۔

آپ نے اس جگہ ارمان بخاری کو قید کر رکھا تھا۔ وہ بے چارا

وہاں ایک سال تک قید رکھا گیا۔"

"اُٹ۔ آپ تو بہت بڑے بڑے الزامات لگا رہے ہیں۔

خیر۔ آپ میری انگلیوں کے نشانات کیوں نہیں لے لیتے۔"

"ٹھیک ہے۔ یہی تو ہم چاہتے ہیں۔" محمود نے خوش ہو کر کہا۔

اس کی انگلیوں کے نشانات لے کر شیشی پر پائے جانے

والے نشانات سے ملائے گئے، لیکن پھر ان پر مایوسی نے زوردار

حملہ کیا، کیوں کہ دونوں نشانات بالکل مختلف تھے۔

"یہ۔ یہ ہم کیا دیکھ رہے ہیں۔ یہ نشانات تو ان کے نہیں۔"

"میں نے پہلے ہی کہا تھا۔ یہ جرم میں نے نہیں کیا۔ آپ

کو ضرور غلط فہمی ہوئی ہے۔" میجر نے جلدی جلدی کہا۔

"ہوں! آپ کا بیان ٹھیک ہے۔ ہمارا خیال غلط نکلا۔

معاف کیجیے گا۔ یہ کہہ کر محمود اٹھ کھڑا ہوا۔

"کوئی بات نہیں۔"

باہر نکل کر وہ جیب میں بیٹھ گئے۔

"یہ کیا ہوا؟ اکرام بولا۔

"ہوتا ہے انکل ایسا بھی ہوتا ہے۔" محمود بولا۔

"سوال یہ ہے کہ اب ہم کہاں جائیں۔ کس کو چیک کریں؟"

"دل بہار شاہ ہمیں ملا نہیں۔ اب اور کون رہ جاتا ہے؟"

"اوہ ہاں! نون فیملی۔" فرزانہ چونکی۔

"نون فیملی۔ یہ۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔" محمود نے گہرا کر کہا۔

"ہو کیوں نہیں سکتا۔ آئیے انکل چلیں۔"

نون فیملی کی انگلیوں کے نشانات بھی لیے گئے، لیکن کسی



کے نشانات شیشی پر پائے جانے والے نشانات سے نہ مل سکے۔ آخر تک ہار کر وہ گھر پہنچے۔ اور یہ دیکھ کر کھل اٹھے کہ انیکٹر جشید گھر میں موجود ہیں۔

”شکر ہے۔ آبا جان۔ آپ نظر تو آئے۔ آخر آپ کہاں چلے گئے تھے؟“

”ایک ضروری کام میں مصروف تھا۔ جو تمہیں بتانے والا نہیں۔ بہت تکے ماندے نظر آ رہے ہو۔ کیا ارمان بخاری کیس حل نہیں ہوا؟“

”جی بس۔ ہاتھی تو گزر چکا ہے۔ دم رہتی ہے۔ فاروق نے منہ بنایا۔“

”کیا مطلب؟ وہ چونکے۔“

”ساری تفتیش ہم کر چکے۔ صرف مجرم کو گرفتار کرنا باقی ہے۔“

”اور مجرم کون ہے؟ انہوں نے پوچھا۔“

”یہ ابھی معلوم نہیں ہو سکا۔“

”یہ تو کچھ بھی نہ ہوا خیر۔ مجھے پوری تفصیل سناؤ۔ شاید میں کچھ مدد کر سکوں۔“

”بہت بہت شکریہ آبا جان۔“

ممود نے پوری تفصیل سنا دی۔ ایک بات بھی نہ چھوٹی، انیکٹر جشید چند منٹ تک سوچ میں ڈوبے رہے، پھر ان

سے چند سوال کیے اور ایک بار پھر سوچ میں ڈوب گئے۔ آخر سر اٹھا کر بولے:

”ٹھیک ہے۔ اس سے آگے انہوں نے کچھ بھی نہ کہا۔ جی کیا ٹھیک ہے؟“

”تم نے سارا کام بالکل ٹھیک کیا ہے۔ اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ دل بہادر شاہ ہی مجرم ہے۔ لیکن اب وہ روپوش ہو گیا ہے۔ یا کسی اور روپ میں موجود ہے۔ بس بات صرف اتنی سی ہے۔ اور ہاں۔ نیلا گھوڑا بھی وہی ہے۔ آؤ چلیں۔ اسے گرفتار کر لائیں۔“

”جی۔ کیا فرمایا آپ نے۔ گرفتار کر لائیں۔“ فاروق حیرت زدہ انداز میں بولا۔

”ہاں! کیا تم اسے گرفتار نہیں کرنا چاہتے؟“

”بھلا، ہم کیوں نہ چاہیں گے۔ صبح سے تو خاک چھانستے پھر رہے ہیں۔“

”تو پھر چلو۔“

”آخر آپ کو کس طرح معلوم ہو گیا کہ مجرم کون ہے۔ کہاں ہے۔ کیا آپ بھی اس کیس پر کام کرتے رہے ہیں؟“

”نہیں! میں اور طرف مصروف تھا۔ میں نے تو تمہاری کہانی سننے کے بعد ایک اندازہ لگایا ہے۔ جو غلط بھی ہو



سکتا ہے۔

”مشکل ہے ابا جان۔ فاروق نے فوراً کہا۔

”کیا؟ انھوں نے حیران ہو کر پوچھا۔

”یہ کہ آپ کا اندازہ اور غلط ہو جائے۔“

”بھئی میں بھی آخر انسان ہوں۔ چلو۔“

ایک بار پھر وہ گھر سے نکلے۔ اس مرتبہ جیب انپیکٹر جمشید

چلا رہے تھے۔ پھر وہ چونک اٹھے۔ اور محمود نے حیرت زدہ

انداز میں کہا:

”ارے۔ آپ تو نون فیملی کی طرف آگئے۔“

”ہاں! ہمیں یہیں آنا تھا۔“

”یہاں سے تو ہم ابھی ابھی گئے ہیں۔“

”تو کیا ہوا۔ میں سن چکا ہوں۔ تم ان چاروں بھائی

بہن کو چیک کر چکے ہو۔“

”تو پھر۔ وہ ایک ساتھ بولے۔

”بس دیکھتے جاؤ۔“

”دیکھ تو ہم نہ جانے کب سے رہے ہیں۔ ارے ارے۔“

یہ آپ کس طرف جا رہے ہیں۔ صدر دروازہ اس طرف ہے۔“

فاروق نے چونک کر کہا۔

”آؤ بھئی۔ خاموشی سے آؤ۔“

انپیکٹر جمشید صدر دروازے کے پاس سے گزر کر دیوار

کے ساتھ ساتھ چلے جا رہے تھے۔ آخر وہ ایک دروازے

کے سامنے رُک گئے۔ محمود، فاروق اور فرزاد کی حیرت کا کیا

پوچھنا۔ اکرام بھی کم حیرت زدہ نہیں تھا۔ ادھر انپیکٹر

جمشید نے دستک دی۔ دروازہ کھلا اور جالینوس کی صورت

دکھائی دی۔ انھیں دیکھ کر وہ زور سے چونکا۔

”کیوں جا رہے ہیں مسٹر جالینوس؟ انپیکٹر جمشید نرم آواز میں

بولے، ان کی نظریں کمرے کے اندر فرش پر رکھے سوٹ کیس

پر جمی تھیں۔ جالینوس کے ہاتھ میں سگریٹ تھا۔ اس کا دھواں

لہریں لیتا اوپر اُٹھ رہا تھا۔

”بچ۔ جی! میں نے یہ ملازمت چھوڑ دی ہے۔“

”لیکن مسٹر جالینوس۔ آپ یہاں سے صرف ہمارے ساتھ

جاسکتے ہیں۔“

”لگ۔ کیا مطلب؟ وہ چونکا۔

”اس لیے کہ ہمارے مجرم آپ ہی ہیں مسٹر شولی بنگر۔“

”جی۔ کیا فرمایا۔ شولی بنگر۔ محمود، فاروق، فرزاد اور اکرام

چلا آئے۔“

”ہاں! یہی شولی بنگر ہے۔“

”یہ۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔“



”جو خیال تم نے قائم کیا تھا۔ ہوا قریباً اسی طرح ہے۔  
 فرق صرف اتنا ہے کہ دوست کا کردار ہوٹل کے مینجر نے ادا  
 کیا۔ اس کا کام صرف اتنا تھا کہ ارمان بخاری کو اغوا کر کے  
 اس مکان تک پہنچا دے۔ تم اس کی انگلیوں کے نشانات  
 لے لو۔ ابھی بات ثابت ہو جائے گی۔ اور اس سگریٹ کو  
 بھی چیک کر لو۔“

ان الفاظ کے ساتھ ہی اکرام کے ہاتھ میں پستول نظر آیا۔  
 اور پھر انھوں نے اُس کے نشانات لے لیے۔ جوں ہی نشانات  
 ملائے گئے اور سگریٹ کو چیک کیا گیا، وہ چلا آٹھے:  
 ”بالکل مل گئے۔ سو فی صد وہی۔“

”بس تو پھر۔ تمہارا مجرم حاضر ہے۔ دراصل اس نے سوچا  
 انتقام تو لینا ہی ہے۔ کیوں نہ پہلے بڑی بڑی رقوم بھی  
 حاصل کی جائیں۔ اس لیے اسے ہوٹل کے مینجر کو ساتھ بلانا پڑا۔  
 جالینوس کو گرفتار کروانے کے بعد وہ گھر روانہ ہوئے۔“

”لیکن آبا جان بچوں والی تحریر تو جالینوس کی تحریر سے مختلف تھی۔ فاروق بولا۔  
 ”بھئی وہ تحریر مینجر کی تھی۔ جسے شائع کروانے پر خود  
 گیا تھا۔“

”اوہ۔ تو یہ بات تھی۔ اسی لیے اخبارات کے کلرک پورے  
 یقین سے کر رہے تھے کہ وہ یہی ہے۔ جو اشتہار دینے کے

لیے آیا تھا۔

”اس کا مطلب ہے۔ آخر کو یہ کیس بھی ختم ہو ہی گیا۔ فاروق  
 بولا۔“

”لیکن ہوا آبا جان کی مدد سے۔ سارا دن ہم مارے مارے  
 پھرتے رہے۔ اور۔ میدان مار لیا انھوں نے۔“ فرزانہ مسکرائی۔

”تو یوں کہو۔ کیس کا سہرا آبا جان کے سر رہا۔ محمود چمکا۔  
 ”کیا۔ کیا کہا تم نے۔ پھر سے کہنا۔“ بیگم جمشید نے تلملا کر کہا۔  
 اور انپکٹر جمشید کی ہنسی نکل گئی۔

ختم شد